DDMC212CCT

# ترجمہ اور زبان دانی

# (Translation and Language Proficiency)

## ڈپلوما اِن جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن

(دوسرا سمسٹر)


نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

حیدرآباد، تلنگانہ، انڈیا-500032

© Maulana Azad National Urdu University

**Course: Translation and Language Proficiency**

ISBN: 978-93-95203-52-4

First Edition: 2011

Revised Edition: December, 2022

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی،حیدرآباد

اشاعت : دسمبر،2022

تعداد : 300

کمپوزنگ : ڈاکٹر شمس الحق

سرورق : ڈاکٹر محمد اکمل خان

مطبع : کرشک آرٹ پرنٹرس،حیدرآباد

Diploma in Journalism and Mass Communication

**Translation and Language Proficiency**

**2nd semester**

*On behalf of the Registrar, Published by:*

**Directorate of Distance Education**

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India

Director: dir.dde@manuu.edu.in Publication: ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website:manuu.edu.in

*© All rights reserves. No part of this publication may reproduces or transmitted in any form or by any means, electronically or machenically, including photocopying or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in)*

## ایڈیٹر

## Editor

Shams Imran
Assistant Professor (JMC)
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University,
Hyderabad

شمس عمران
اسسٹنٹ پروفیسر (ذرائع ابلاغ وترسیل عامہ)
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

## لینگویج ایڈیٹر

## Language Editor

Dr. Mohd Akmal Khan
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University,
Hyderabad

ڈاکٹر محمد اکمل خان
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

## ایڈیٹوریل بورڈ

## Editorial Board

Shams Imran
Assistant Professor (JMC)
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University,
Hyderabad

شمس عمران
اسسٹنٹ پروفیسر (ذرائع ابلاغ وترسیل عامہ)
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Aftab Alam Baig
Assistant Registrar
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University,
Hyderabad

ڈاکٹر آفتاب عالم بیگ
اسسٹنٹ رجسٹرار
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

**پروگرام کوآرڈی نیٹر**

شمس عمران، اسسٹنٹ پروفیسر (جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن)
نظامتِ فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد



| **مصنفین:** | **اکائی نمبر** |
|---|---|
| ڈاکٹر سید محمود کاظمی، صدر شعبۂ ترجمہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | اکائی 1 |
| ڈاکٹر محمد خالد مبشر الظفر، اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ ترجمہ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | اکائی 2 |
| ادارہ (ترتیب وادارت ڈاکٹر آفتاب عالم بیگ، اسسٹنٹ رجسٹرار، ڈی ڈی ای، مانو) | اکائی 3،5 |
| پروفیسر ابوالکلام، شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | اکائی 4 |
| جناب جمیل شیدائی، کوآرڈی نیٹر سیاست اسٹڈی سنٹر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد | اکائی 6 |



**پروف ریڈنگ:**

| | | |
|---|---|---|
| اول | : | ڈاکٹر شمس الحق |
| دوم | : | ڈاکٹر آفتاب عالم بیگ |
| فائنل | : | شمس عمران |

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| **پیغام** | **وائس چانسلر** | **06** |
| **پیغام** | **ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم** | **07** |
| **کورس کا تعارف** | **کوآرڈی نیٹر** | **09** |
| اکائی1 | ترجمہ: تعریف اور اغراض و مقاصد | 11 |
| اکائی2 | ترجمے کی اہمیت اور اس کا استعمال | 27 |
| اکائی3 | ترجمے کے اصول اور تکنیک | 46 |
| اکائی4 | ترجمے میں تہذیبی اور لسانی رکاوٹیں | 67 |
| اکائی5 | ترجمے کے لیے دونوں زبانوں میں مہارت، نفس مضمون کا علم اور خصوصی مطالعہ | 95 |
| اکائی6 | ترجمے میں محاورے اور قواعد زبان کے مسائل، درست الفاظ کا استعمال، مترادفات اور متضادات | 109 |
| | **نمونہ امتحانی پرچہ** | **127** |

# پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1)اردوزبان کی ترویج وترقی (2)اردومیڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پرخصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد ومنشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کردیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔یہی کیفیت اکثر رسائل واخبارات میں دیکھنے کوملتی ہے۔اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔چاہے یہ خود ان کی صحت وبقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے،یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گردوپیش ماحول کے مسائل ہوں،عوامی سطح پر ان شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کردی ہے۔یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرینِ علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی پچیسویں سالگرہ منا رہی ہے مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہورہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامت فاصلاتی تعلیم از سرِنو اپنی کارکردگی کے نئے سنگ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامت فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہورہے ہیں۔گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورت حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل وابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامت فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لمحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر

# پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈِویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈِویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لِنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس (SMS) کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان
ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

# کورس کا تعارف

آزاد صحافت کے بغیر جمہوریت کا تصور ناممکن ہے۔صحافتی ادارے کسی بھی صحت مند معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے ضروری ہے۔ دور حاضر میں اگر کسی غیر سرکاری ادارے کو عوامی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار جانا جاتا ہے تو وہ صحافت ہے۔ برصغیر ہند میں صحافت کی تاریخ تقریباً ڈھائی سو سال پرانی ہے۔1780ء میں جیمز اگسٹس ہکی کے گزٹ سے شروع ہو کر یہ سفر اب تک کئی مراحل سے گزر چکا ہے۔جن میں برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی جدو جہد سے لے کر بے شمار چھوٹی اور بڑی سماجی اور سیاسی حقوق کی لڑائیاں شامل ہیں۔

حال ہی میں آئے انفارمیشن ٹکنالوجی کے انقلاب نے صحافت اور اس سے جڑے پیشے کو اور بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔سماجی، سیاسی اور اقتصادی امور میں آنے والی تبدیلیاں جیسے جیسے زور پکڑ رہی ہیں صحافت کو درپیش چیلنجز میں بھی ویسے ہی اضافہ ہو رہا ہے۔

ان بدلتے ہوئے حالات میں جہاں معلومات کا لامحدود ذخیرہ آپ کی انگلیوں کی جنبش کے ماتحت ہے وہیں اس میں سے قابل اعتبار معلومات کو الگ کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔مزید ٹکڑوں میں ملنے والی معلومات کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھنا اور دنیا کا ایک نا قابل اعتماد خاکہ کھینچنا ایک عام شہری کے لئے دشوار ثابت ہوتا جا رہا ہے۔اسی لیے ایسے صحافیوں اور صحافتی اداروں کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے جو اس ساری جانکاری کو غیر جانبدارانہ انداز اور صحیح تناظر میں پیش کر سکیں۔

ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن (DJMC) کا کورس دو باتوں کو ذہن میں رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔پہلی یہ کہ یہ کورس ایسے طلباء کے لئے فائدہ مند ثابت ہو جو آگے جا کر صحافت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری یہ کہ ایک عام پڑھا لکھا شہری صحافت کے اصولوں اور کام کرنے کے طریقہ کار سے واقف ہوتا کہ وہ ذرائع ابلاغ سے ملنے والی جانکاری کو صحیح طریقے سے جانچ سکے۔ایسا کرنے سے وہ ایک شہری کی حیثیت سے جمہوری نظام میں ایک مثبت رول ادا کر سکتا ہے۔

اس کورس میں ترجمے کے اغراض و مقاصد، ترجمہ کا استعمال اور اس کے اصول و تکنیک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے علاوہ ترجمے میں آنے والی تہذیبی اور لسانی رکاوٹوں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ترجمے کے لیے زبان کی مہارت اور نفس مضمون کا علم اور خصوصی مطالعہ کس قدر ضروری ہے، ترجمے میں قواعد زبان کے مسائل، ترجمے میں درست الفاظ کا استعمال اور مترادفات اور متضادات کا استعمال کس طرح کیا جائے......ان تمام نکات کو اس کتاب میں بہترین ڈھنگ سے مثالوں کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شمس عمران

کورس کوآرڈی نیٹر

# ترجمہ اور زبان دانی

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

# اکائی 1۔ ترجمہ: تعریف اور اغراض و مقاصد

اکائی کے اجزا


1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 ترجمے کی تعریف
1.3 ترجمہ کے اقسام
1.3.1 طریق کار و تکنیک کے اعتبار سے ترجمہ نگاری
1.3.2 موضوع کے لحاظ سے ترجمہ نگاری
1.4 ترجمہ نگاری کے اغراض و مقاصد
1.4.1 تخلیق کی زبان سے مترجم کی گہری واقفیت
1.4.1.1 قواعد سے واقفیت
1.4.1.2 محاورے اور ضرب الامثال سے واقفیت
1.4.1.3 تشبیہات اور استعارات سے واقفیت
1.4.1.4 اسم سے واقفیت
1.4.2 ترجمے کی زبان سے مترجم کی گہری واقفیت
1.4.2.1 مترادفات سے واقفیت
1.4.2.2 اصطلاح سازی کے مسائل سے واقفیت
1.4.2.3 ترجمے کی زبان کے محاوروں، ضرب الامثال، روزمرہ اور تلمیحات سے واقفیت
1.4.3 ترجمہ نگاری کے تین اہم مقاصد
1.5 اکتسابی نتائج
1.6 فرہنگ
1.7 نمونہ امتحانی سوالات
1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 1.0 تمہید

انسان ابتدا ہی سے دوسرے انسانوں کے خیالات جاننے اور ان کے جذبات سے واقف ہونے کا خواہش مند رہا ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ دوسرے انسانوں تک اپنے خیالات، جذبات اور احساسات پہنچانا بھی چاہتا ہے۔حضرت انسان کی اسی فطرت نے شروع سے ہی اسے ترسیل کے نت نئے اور موٴثر راستے تلاش کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر انسان ایک سماجی حیوان بھی ہے جیسا کہ مشہور یونانی مفکر ارسطو نے کہا تھا،اسی لیے اسے اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے بھی دوسرے انسانوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ظاہر ہے کہ جب انسانی آبادی انتہائی کم اور صرف ایک خطۂ زمین تک ہی محدود رہی ہوگی تب یہ کام اس قدر دشوار نہیں رہا ہوگا کیونکہ اگر اس وقت تک کوئی باقاعدہ زبان وجود میں نہ بھی آسکی ہوگی تو بھی ایک ہی مقام پر رہنے والوں نے فطری طور پر چند مخصوص آوازیں اور کچھ اشارے ضرور وضع کر لیے ہوں گے کہ جن سے وہ اپنی ضروریات، جذبات اور احساسات دوسروں تک بہ آسانی پہنچا سکتے رہے ہوں گے۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ صورت حال تبدیل ہوئی۔انسانی آبادی تیزی سے بڑھنے لگی۔دنیا کے مختلف علاقوں اور دور دراز کے خطوں میں رہنے والے انسانوں کی زبانیں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے اس قدر الگ اور مختلف ہو گئیں کہ اب بغیر ایک دوسرے کی زبان سیکھے کوئی چارہ نہ رہا۔کیونکہ اب انسان نے اپنی مختلف ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ایک خطۂ زمین سے دوسرا حصۂ زمین کی طرف قافلوں اور کاروانوں کی شکل میں سفر کرنا شروع کر دیا تھا۔ابتدا میں اسی ضرورت کے تحت چند لوگوں نے وہ زبان سیکھی کہ جس کے بولنے والوں سے انہیں دوران تجارت سابقہ پڑتا رہتا تھا۔

ادھر زیادہ تر زبانوں کی تحریری صورت بھی وجود میں آچکی تھی یعنی اب زبان محض بولی ہی نہیں جاتی تھی بلکہ لکھی بھی جاتی تھی۔تحریر کے وجود میں آنے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اب لوگوں کے خیالات ان کی غیر موجودگی میں بھی دوسروں تک پہنچنے لگے۔خیالات، افکار و احوال کی ان تحریری صورتوں کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل شروع ہو گیا اور اس طرح ترجمے کے فن کا آغاز ہوا۔کسی ایک قوم کا ذخیرۂ علم اب ترجمہ کے ذریعے دوسری قوم تک بہ آسانی پہنچنے لگا۔یونانی مفکرین کے افکار و خیالات اسی طرح عربوں کے توسط سے عام ہوئے کیونکہ عرب حکماء نے طب یونانی، فلسفہ اور منطق سے متعلق نادر روزگار کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کیے۔ترجمے کی اسی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں ہم ترجمہ کی تعریف، ترجمہ نگاری کے اغراض و مقاصد کے تعلق سے گفتگو کریں گے۔

زیر نظر اکائی آپ کو نہ صرف یہ کہ ترجمے کی تعریف سے واقف کرائے گی بلکہ اس کے اغراض و مقاصد سے بھی آپ آگاہ ہو جائیں گے۔آپ کی سہولت کے لیے اس اکائی کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے کے آخر میں اپنی معلومات کی جانچ کے عنوان سے چند سوالات دیے گئے ہیں جن کے جوابات آپ کو دریافت کرنے ہیں۔اس کوشش سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ نے کتنی توجہ سے اس حصۂ اکائی کا مطالعہ کیا ہے۔اس کے ساتھ ہی پوری اکائی کا خلاصہ بھی دیا جا رہا ہے۔امتحان میں کس طرح کے سوالات آپ سے پوچھے جائیں گے اس کا ایک نمونہ ”نمونہ امتحانی سوالات“ کی شکل میں بھی دیا جا

رہا ہے۔مشکل الفاظ کے معنی فرہنگ کے تحت دیے گئے ہیں۔
تجویز کردہ اکتسابی مواد کی فہرست بھی دی جا رہی ہے تاکہ آپ ان کتابوں کے مطالعے سے مزید معلومات حاصل کر سکیں۔

## 1.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ:

☆ ترجمے کی جامع تعریف بیان کر سکیں۔
☆ ترجمے کی مختلف اقسام پر روشنی ڈال سکیں۔
☆ ترجمے میں درپیش مسائل کو سمجھ سکیں۔
☆ اصطلاح سازی سے متعلق مترجم کو پیش آنے والے مسائل کے بارے میں جان سکیں۔

## 1.2 ترجمے کی تعریف

کسی بھی ایک زبان سے کسی بھی دوسری زبان کے جذبات، احساسات، خیالات، افکار، احوال اور علوم نیز فنون سے متعلق معلومات اور دیگر کسی بھی طرح کے امور و مطالب کو ادا کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ترجمہ دراصل وہ وسیلہ یا ذریعہ ہے جو ایک زبان کے علمی، ادبی یا دوسرے کسی بھی طرح کے تحریری سرمائے کو دوسری زبان میں منتقل کر دیتا ہے۔ذیل میں ترجمے کی چند اہم تعریفیں (Definitions) دی جا رہی ہیں جن کے مطالعے سے آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ ترجمہ نگاری دراصل ہے کیا؟

1. "A Written communication in a second language having the same meaning as the written communication in a first language".

یعنی ''ترجمہ دوسری زبان میں وہ تحریری ابلاغ ہے جو بعینہٖ انہی معانی کا حامل ہوتا ہے جو پہلی زبان کے تحریری ابلاغ کے ہوتے ہیں۔''

2. "Translation is an activity comparising the interpretation of the meaning of a text in one language...........the source text..........and the production of a new, equivalent text in another language..........called the target text or the translation."

(en. wiki-pedia.org/wiki/translation)

یعنی ''ترجمہ ایک زبان کے متن کہ جسے اصل متن کہا جاتا ہے، کے معانی کی ترجمانی کی حاصل سرگرمی ہے اور ایک دوسری زبان میں ایک نئے متوازی متن کہ جسے ترجمے کا متن یا ترجمہ کہا جاتا ہے کی تشکیل ہے''۔

3.''Translation is the process of facilitating written communication from one language to another."

(English Russian translation.com)

یعنی ''ترجمہ وہ طرز رسائی ہے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں تحریری ابلاغ کی سہولت فراہم کرتا ہے۔''

ترجمہ کی مندرجہ بالا تعریفوں پر ایک نظر ڈالنے سے ترجمے کے تعلق سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ ترجمہ نگاری وہ طریق کار ہے جس کا اہم ترین عنصر یا خصوصیت منتقلی کا عمل ہے یعنی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا۔ اب جس مواد کو منتقل کرنا ہے وہ بلا شبہ خیال، فہم، علم جذبہ اور احساس کا حامل ہوگا۔ منتقلی کا یہ عمل اس امر کا متقاضی ہے کہ دوسری زبان میں بھی جو متن ضبط تحریر میں لایا جائے وہ اسی خیال، علم، فہم، جذبہ اور احساس کا حامل ہوگا جو اس متن میں پایا جاتا ہے جس کو منتقلی کے عمل سے گزارا جارہا ہے۔ یعنی اس عمل میں مفہوم کی سطح پر نہ تو اپنی جانب سے کچھ شامل کرنا ہے اور نہ ہی اس میں سے کچھ کم کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے کا سابقہ دو ایسی زبانوں سے پڑتا ہے جو تہذیبی، جمالیاتی، ثقافتی صرفی اور نحوی سطح پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ دونوں کے پاس محاوروں اور ضرب الامثال کا اپنا سرمایہ ہوتا ہے جو الگ تہذیبی بنیادوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک اچھے مترجم کو ان تمام مشکل مراحل سے بہ حسن وخوبی گزرنا ہوتا ہے۔ انہی امور کی بنا پر گوئٹے نے ترجمہ نگاری کو اہم ترین سرگرمی قرار دیا ہے۔

دراصل وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ترجمہ نگاری جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔ دو الگ الگ زبانوں کے تہذیبی اور لسانی سرمایے پر گہری نظر ہونا الفاظ کے معانی و مفاہیم سے واقفیت اور مترادفات سے آگاہی جیسے تقاضوں سے ایک مترجم کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ اس قدر محنت کے باوجود مترجم کو وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو تخلیق کار کے حصے میں آتی ہے۔ تخلیق کی برتری اور افضلیت کے مقابلے میں ترجمے کو قطعاً قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے ایلبرٹ گیرارڈ نے اسے سعی نامشکور کہا ہے۔ گرانٹ شاورمین کرسیلی کے مطابق ترجمہ نگاری ایک گناہ ہے۔ ترجمہ نگاری کو نظرانداز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے کہ بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ ترجمہ ہمیشہ نامکمل رہتا ہے۔ تخلیق کا مفہوم اگر ترجمے میں منتقل بھی ہو جائے تو اس کی روح کم از کم منتقل نہیں ہوتی۔ ایسا اس لیے بھی ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں کی لفظی ومعنوی، صرفی نحوی، تہذیبی اور ثقافتی فضا ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ شاعری میں فکر و تخیل کی سطح پر جو کشش وجود میں آتا ہے اور لفظی ومعنوی محاسن کی

بنیاد جو تشبیہات واستعارات اور علامات کارفرما ہوتی ہیں وہ سب گہرا تہذیبی پس منظر رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ترجمہ میں اس لفظی ومعنوی تاثیراور شعری لب ولہجے کو منتقل کر دینا تقریباً ایک ناممکن امر ہےاس لیے ٹی ایس ایلیٹ کے مطابق ''کسی زبان کی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان میں ناممکن ہے'' بہرحال مندرجہ بالا مسائل سے قطع نظر ترجمہ نگاری ایک ناگزیر عمل اور دور جدید کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ذیل میں اب ہم اس پر گفتگو کریں گے۔

**اپنی معلومات کی جانچ**

1 ''انسان ایک سماجی حیوان ہے''۔کس کا قول ہے؟

2۔ عرب حکماء نے کس زبان کی کتابوں کے تراجم کیے؟

3۔ ترجمہ نگاری کو اہم ترین سرگرمی کس نے قرار دیا ہے؟

4۔ ''شاعری کا ترجمہ ناممکن ہے''۔کس کا قول ہے؟

---

## 1.3 ترجمے کے اقسام

---

ترجمہ نگاری کے اغراض ومقاصد پر گفتگو کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مختلف اقسام پر ایک نظر ڈال لی جائے چونکہ مواد کا دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت سب سے ضروری اس امر کو ذہن نشین کر لینا ہے کہ مواد کس نوعیت کا ہے۔ادبی یا علمی یا پھر معلوماتی قسم کا۔ادبی تراجم میں بھی شعری ترجمے شعری کے اپنے تقاضے ہیں اور نثری ادب کے ترجمے کے اپنے۔ اسی طرح علمی تراجم کی ضروریات کیا ہیں ، مذہبی نوعیت کی کتابوں میں ترجمے کن خصوصیات کے حامل ہونے چاہئیں؟ قانونی مواد کے ترجمے کے سلسلے میں کیا پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔ان تمام امور پر مترجم کی گہری نظر ہونی چاہیے۔ ترجمے کے اقسام کے تعلق سے دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔موضوع کی بنیاد پر ترجمے کے اقسام اور طریقِ کار و تکنیک کے لحاظ سے ترجمے کی قسمیں۔لیکن یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ترجمے کے ان تمام اقسام کا ایک دوسرے سے گہرا ربط و تعلق ہے اور یہ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ذیل میں ہم پہلے طریقِ کار و تکنیک کے لحاظ سے ترجمے کے اقسام پر غور کریں گے۔

### 1.3.1 طریقِ کار وتکنیک کے لحاظ سے ترجمہ

طریقۂ کار اور تکنیک کے لحاظ سے ترجمہ تین طرح کا ہوتا ہے۔لفظی ترجمہ،آزاد ترجمہ اور تخلیقی ترجمہ

**(الف) لفظی ترجمہ**

اس قسم کے ترجمے میں مترجم متن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرتا ہے اور اصل متن سے ذرا بھی انحراف نہیں کرسکتا۔اس طرح کے تراجم میں مذہبی اور قانونی کتابوں کے تراجم آتے ہیں۔

### (ب) آزاد ترجمہ

آزاد ترجمے میں مترجم کو زبان و بیان کے معاملے میں مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔اصل متن کے مفہوم کو اپنے الفاظ اور اسلوب میں کر دینے کو آزاد ترجمہ کہا جاتا ہے۔

### (ج) تخلیقی ترجمہ

یہ ایک قسم کا با محاورہ ترجمہ ہوتا ہے۔اس ترجمے میں تخلیقیت پائی جاتی ہے۔جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے۔، مترجم کو اس کی لسانی وتہذیبی کیفیات سے پوری طرح باخبری کا ثبوت دینا ہوتا ہے اس طرح وہ جس زبان میں ترجمہ کررہا ہے اس کے بھی تہذیبی ولسانی پہلوؤں پر اسے نظر رکھنی چاہئے۔اس کے ساتھ ہی محاوروں اور ضرب الامثال کے ترجمے کے وقت ان کے لفظی سے زیادہ معنوی مفہوم کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے کیونکہ محاوروں کا لفظی ترجمہ انتہائی مضحکہ خیز ہوتا ہے۔مترجم کو ان محاوروں کے مترادفات پر غور کرنا ہے اور انہیں اختیار کرنا ہوتا ہے۔

## 1.3.2 موضوع کے لحاظ سے ترجمہ

موضوع کے لحاظ سے ترجمے کی قسمیں درج ذیل ہیں (الف) ادبی ترجمہ (ب) علمی ترجمہ (ج) صحافتی ترجمہ

### (الف) ادبی ترجمہ

ادبی ترجمے کے لیے مترجم کو دونوں زبانوں کے ادبی پہلوؤں یعنی روزمرہ، ضرب الامثال، تشبیہات، استعارات اور رموز وعلائم سے واقف ہونا ضروری ہے، ادبی ترجمہ بڑی حد تک تخلیقیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ مترجم کو اپنے علم، فہم، اور تخیل سے پوری طرح کام لینا پڑتا ہے۔

اسے تخلیق کی زبان کے لفظی ومعنوی محاسن اور صنعتوں کو ان کے مکمل سیاق وسباق کے ساتھ سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ترجمہ کی زبان میں ان کے خیالات پر بھی گہری نظر ہونی چاہیے کیونکہ یہی وہ عناصر ہیں جو ادبی ترجمے میں ادبیت اور کسی قدر تخلیقیت بھی پیدا کرتے ہیں۔

### (ب) علمی ترجمہ

ترجمے کی یہ قسم تمام سائنسی علوم اور دیگر علوم وفنون، فکر وفلسفہ اور دوسرے معلوماتی مضامین کے ترجمے پر محیط ہے۔ اس نوع کے ترجمے کا سب سے اہم کام علمی اصطلاحات کے مترادفات تلاش کرنا اور نئی اصطلاحوں کو وضع کرنا ہے۔علمی ترجمے کی دوسری اہم ضرورت یہ ہے کہ جس مضمون کے مواد کا ترجمہ کرنا ہو، اس کا ماہر یا پھر بڑی حد تک واقف کار ہی یہ کام انجام دے۔اسی طرح علمی کتابوں کے مترجم کو متعلقہ مضمون کا ماہر یا واقف کار ہونا اور ساتھ ہی ذولسان ہونا بھی ضروری ہے۔

### (ج) صحافتی ترجمہ

ترجمہ کی اس شکل میں مترجم اپنے الفاظ میں متن کا مفہوم دوسری زبان میں منتقل کر دیتا ہے۔ چونکہ اس طریقہ کار کو عام طور پر خبروں کے تراجم کے سلسلے میں اپنایا جاتا ہے اس لیے اسے صحافتی ترجمہ کہتے ہیں۔ صحافتی ترجمہ کے لیے مترجم کو عصری حالات و واقعات اور تاریخ وجغرافیہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ خبروں میں چونکہ دور دراز کے علاقوں اور مقامات کے نام بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کے محل وقوع کے واقعات سے واقفیت بھی مترجم کے لیے ضروری ہے۔ صحافتی ترجمہ نت نئے الفاظ پیشہ وارانہ اصطلاحات اور جدید ترایجادات کے ناموں کی شمولیت کی بنا پر زبان میں وسعت پیدا کرنے اور اس کی لفظیات میں اضافہ کا اہم ترین ذریعہ ہوتا ہے۔

### اپنی معلومات کی جانچ

1۔ طریقِ کار و تکنیک کے لحاظ سے ترجمے کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟

2 ۔لفظی ترجمہ کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟

3 ۔وضع اصطلاحات کا عمل کس طرح ترجمے کی اہم ضرورت ہے؟

4 ۔خبروں کے ترجمے کو کیا کہتے ہیں؟

## 1.4 ترجمہ نگاری کے اغراض ومقاصد

دورِ حاضر میں ترجمے کی حیثیت ایک فن کی سی ہو چکی ہے۔ دوسرے فنون کی طرح اس کے بھی اصول وضوابط متعین کیے جانے لگے ہیں۔ تخلیق کی اہمیت افضلیت اور برتری اپنی جگہ لیکن ترجمہ بھی اس سے کم اہمیت کا حامل نہیں بلکہ بعض معنوں میں تخلیق سے زیادہ ہی ذہنی کاوش و ورزش کا ثمر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ترجمے کی اہمیت کو تسلیم کیا جانے لگا ہے اور اسے بازتخلیق (Recreation) بھی کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ ترجمے کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

جب ایک مترجم کسی تخلیق یا تصنیف کا ترجمہ کرنے کے عمل کا آغاز کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر اس ترجمے کا ایک مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ دورانِ ترجمہ چند اصولوں کی پابندی اور ایک مخصوص طریقِ کار اختیار کرتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس پورے عمل سے بحسن وخوبی گزرنے اور ایک کامیاب ترجمہ کرنے کے لیے مترجم کو چند خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے کی پہلی شرط اس زبان میں مہارت ہے جس میں وہ تخلیقی مواد موجود ہے کہ جس کا ترجمہ کیا جانا ہے۔ یہ مہارت کس قسم کی ہو اس پر ذیل کی عنوانات کے تحت گفتگو کی جارہی ہے۔

### 1.4.1 تخلیق کی زبان سے مترجم کی گہری واقفیت

مترجم کو اس زبان پر کامل دستگاہ حاصل ہونی چاہیے جو تخلیق کی زبان ہیں کیونکہ اسے ترجمے میں محض مفہوم کو ہی منتقل نہیں کرنا ہے بلکہ اس تاثر اور کیفیت کو بھی ترجمے کا حصہ بنانا ہے جو کہ تخلیق میں پائی جاتی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے اس کے لیے

مترجم کو تخلیق یا تصنیف کی زبان سے کماحقہ، واقف ہونا ضروری ہے ۔ یہ واقفیت ذیل میں درج نکات کے مطابق ہونی چاہیے۔

### 1.4.1.1 قواعد سے واقفیت

کسی بھی زبان کو کامل صحت کے ساتھ لکھنے اور بولنے کے لیے اس کے قواعد سے واقف ہونا ضروری ہے۔ایک مترجم کو بھی تصنیف کی زبان کے قواعد سے واقف ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ اس سے واقف نہ ہوگا تو جملوں کی ساخت اور ترکیب کے فرق کو محسوس نہ کر سکے گا۔مثال کے طور پر انگریزی زبان کے قواعد کے مطابق جملے میں فاعل پہلے فعل درمیان میں اور مفعول آخر میں آتا ہے۔اس قاعدہ کے مطابق جملہ اس طرح بنتا ہے۔

**MOHAN READS HIS BOOK**

ترجمہ: موہن وہ اپنی کتاب پڑھتا ہے

آپ نے غور کیا کہ اردو میں ترجمے کے وقت اردو کے قواعد کی پابندی کی گئی ہے یعنی پہلے فاعل پھر مفعول اور تب فعل ۔ اگر ترجمے کے وقت اردو میں جملہ بنانے کے قاعدے کو فراموش کر دیا جاتا تو ترجمہ مضحکہ خیز اور عبارت غلط ہو جاتی ۔اس مثال سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قواعد سے واقفیت مترجم کے لیے ضروری ہے۔

### 1.4.1.2 محاوروں اور ضرب الامثال سے واقفیت

ہر زبان میں محاوروں، کہاوتوں اور ضرب الامثال کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ سبھی زبان کی تہذیبی شناخت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ایک مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان محاوروں اور کہاوتوں کے لغوی معانی کے ساتھ نیز ان کے تہذیبی پس منظر سے واقف ہو۔محاوروں یا کہاوتوں کے ترجمے کے وقت ایک مشکل یہ بھی پیش آتی ہے کہ ترجمے کی زبان میں ان کا متبادل موجود نہیں ہوتا۔مترجم کو اگر یہ صورتِ حال درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ محض مفہوم کی وضاحت کر دے اور محاوروں یا کہاوت کے لفظی ترجمے سے ضرور بچے ۔ کیونکہ یہ انتہائی مضحکہ خیز ہوگا۔انگریزی میں بارش کی شدت عام طور پر ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔

**ITS RAIN CATS AND DOGS**

اب اگر اردو میں لفظی ترجمہ کر دیا جائے تو جملہ انتہائی مضحکہ خیز ہو جائے گا۔

### 1.4.1.3 تشبیہات اور استعارات سے واقفیت

تشبیہات و استعارات کسی بھی زبان کے ادبی پیرایہ اظہار کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔مترجم کو زبان کے ادبی مزاج کا

رمز شناس ہونا چاہیے۔ زبانوں کی معاشرتی اساس کا عرفان مترجم کے لیے ضروری ہے۔ استعارات اور تشبیہات کی تشکیل جغرافیائی، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی عوامل کی مرہون منت ہوتی ہے۔ مترجم کو ترجمے کے دوران کی زبان میں ان کے متبادلات یا قریب ترین مفاہیم کے حامل تشبیہات و استعارات تلاش کرنے ہوتے ہیں۔ ٹیپو سلطان شہید کا مشہور زمانہ قول بار بار دہرایا جاتا ہے۔

**''شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی ہزار برس کی زندگی سے بہتر ہے''**

"Better live a day as a tiger than a life time as a sheep"

آپ نے دیکھا مترجم نے ''شیر'' کے لیے Lion کا لفظ نہ اختیار کرکے Tiger کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بزدلی کے استعارے کے طور پر گیڈر کی جگہ Sheep یعنی بھیڑ سے مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہ انگریزی زبان کے مزاج کے مطابق ہے۔

1.4.1.4 اسم سے واقفیت

ہر زبان میں چیزوں، مقاموں اور علاقوں کے لیے مخصوص نام ہوتے ہیں۔ مترجم اگر ان سے واقف ہوتا ہے تو اسے ان کا ترجمہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اسم زبان کے مزاج اور صرفی قواعد کے مطابق مختلف شکلوں میں اختیار کر لیے جاتے ہیں۔ ذیل میں انگریزی کے کچھ اسم اور ان کے اردو روپ دیے جا رہے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ مترجم اگر ان سے بخوبی واقف ہو تو اسے ترجمہ کرتے وقت کس قدر آسانی ہوگی۔

| **انگلش** | **انگریزی** | **اردو** |
|---|---|---|
| Aristotle | ارسٹوٹل | ارسطو |
| Alexander | الگیز ینڈر | سکندر یا اسکندر |
| Socrates | سوکریٹیز | سقراط |
| Plato | پلیٹو | افلاطون |

اب عربی کے چند اسم دیکھیے۔ انگریزی میں انہیں زبان کے مزاج کے مطابق بنا لیا گیا ہے۔

| **عربی** | **انگریزی** |
|---|---|
| جبل الطارق | جبرالٹر |
| قندیل | کینڈل |
| کیمیا | کیمسٹری |

اس کے علاوہ کچھ ایسے اسم بھی ہوتے ہیں جو ایک زبان میں جو معنی رکھتے ہیں دوسری زبان میں اس سے مختلف معنی رکھتے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ کا لفظ عربی میں نماز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اردو میں صلواتیں سنانا برا بھلا کہنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسم سے مکمل واقفیت رکھے تاکہ ترجمے کے عمل سے گزرتے وقت اس سے غلطی کا امکان کم رہے۔

## 1.4.2 ترجمہ کی زبان سے مترجم کی گہری واقفیت

مترجم کو ترجمہ کی زبان سے بھی گہری واقفیت ہونی چاہئے۔ چند مشاہیر کا خیال ہے کہ مترجم کو اصل زبان یعنی تخلیق کی زبان سے زیادہ واقفیت ترجمے کی زبان سے ہونی چاہیے۔ یہ واقفیت کس طرح کی ہو۔ ذیل میں اس پر گفتگو کی جارہی ہے:

### 1.4.2.1 مترادفات سے واقفیت

ترجمہ کرتے وقت کسی لفظ کے معنی کے لیے مترجم جب لغت کے صفحات پلٹتا ہے تو اسے ایک نہیں بلکہ متعدد الفاظ سے سابقہ پڑتا ہے۔ اب یہ اس کی فہم اور زبان سے واقفیت پر منحصر ہے کہ وہ ان میں سے اس لفظ کا انتخاب کرے جو محل، مناسب اور باموقع ہو۔ کیونکہ بظاہر مترادف یعنی ہم معانی الفاظ حقیقت میں ہم معانی نہیں ہوتے بلکہ مترادف ہوتے ہیں۔ یعنی قریب تر ضرور ہوں گے لیکن کیفیت، مزاج، شدت یا دیگر کسی صورت کی بنا پر یہ الفاظ مختلف ہوں گے۔ کبھی ایک ہی لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً انگریزی کا لفظ POOR غریب، بیچارہ اور خراب تینوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اردو میں لفظ ''خاطر'' یا ''ادب'' کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا مترجم کا کام ہے کہ ترجمے کے وقت دیکھے اور سمجھے کہ تخلیق میں فلاں لفظ فلاں معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

### 1.4.2.2 اصطلاح سازی کے مسائل سے واقفیت

مختلف علوم وفنون، بالخصوص سائنسی علوم کی کتابوں کے ترجمے کے وقت اصطلاحات کے ترجمے کی ضرورت پیش آتی ہے اور مترجم کو یا تو رائج اور دستیاب اصطلاحات سے کام لینا ہوتا ہے یا پھر ان کی عدم موجودگی میں اصطلاح وضع کرنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اصطلاح دراصل ہے کیا؟ اصطلاح کی مختصر تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ:

"اگر کوئی لفظ اپنے اصل معنی کے سوا کسی بھی علم یا فن کے تعلق سے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اسے اصطلاح کہتے ہیں۔''

ایک مترجم کو ترجمے کے وقت سب سے زیادہ مشکل جس مرحلے پر درپیش ہوتی ہے وہ اصطلاح کے ترجمہ کا مرحلہ ہے۔ سب سے پہلے اسے یہ سمجھنا ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کا مفہوم کیا ہے۔ اس کے بعد اسی مفہوم کی حامل اصطلاح ترجمے کی زبان میں تلاش کرنا اور اگر ایسی اصطلاح نہ ملے تو پھر نئی اصطلاح وضع کرنا مترجم کے لیے ضروری ہوجاتا ہے۔ وضع اصطلاح کے سلسلے میں اہم اصول یہ ہے کہ حتی الامکان مختصر جامع اور مفرد لفظ پر مشتمل ہو۔ ساتھ ہی جس مفہوم کی ترسیل اور ابلاغ کے لیے اصطلاح وضع کی گئی ہے اس کے مکمل معانی ومطالب کا اظہار اس اصطلاح سے ہوجائے۔ ایک اور امر مترجم کے پیش نظر رہنا

چاہیے کہ عصری الفاظ سے جو رائج ہوں، اصطلاحات وضع کی جائیں۔ مرکب لفظ اگر بطور اصطلاح وضع کیا جائے تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان میں صوتی اعتبار سے مناسبت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر یہ ایک زبان کے ہی دو لفظوں سے بنا ہو تو قواعد کے اعتبار سے ان دو لفظوں میں کوئی تعلق ضرور ہو۔ ذیل میں چند مفرد اور مرکب الفاظ دئے جا رہے ہیں جو بطور اصطلاح استعمال ہوتے ہیں۔

| مفرد | مرکب |
|---|---|
| انتظامیہ (Administration) | حلف نامہ (Affidavit) |
| استعارہ (Metaphor) | آدم خور (Cannible) |
| صوتیات (Phonetics) | انتظامی امور (Administrative Matters) |
| محاسب (Auditor) | موجودہ حیثیت (Stutus Quo) |

#### 1.4.2.3 ترجمہ کی زبان کے محاوروں، ضرب الامثال، روزمرہ اور تلمیحات سے واقفیت

مترجم کے لیے محض یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ تخلیق کی زبان کے ہی محاوروں، ضرب الامثال، روزمرہ اور تلمیحات وغیرہ سے واقف ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ترجمے کی زبان کے بھی محاوروں اور ضرب الامثال اور تلمیحات وغیرہ سے واقف ہو کیونکہ اس سے زبان کے تہذیبی مزاج کو سمجھنے میں بے حد آسانی ہوتی ہے اور جب آپ کسی زبان کے لسانی پہلوؤں کے ساتھ ہی اس کی تہذیبی پہلوؤں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں تو مفہوم کے علاوہ تاثر اور کیفیت کو بھی زیادہ بہتر طریقے سے ترجمے کی زبان میں منتقل کر سکتے ہیں کیونکہ ترجمے کو بہر حال اس زبان کے مزاج سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔

### 1.4.3 ترجمہ نگاری کے تین اہم مقاصد

ترجمہ نگاری کے تعلق سے مندرجہ بالا تمام امور پر غور کرنے کے بعد ایک بہت ہی اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ کون سا اہم ترین مقصد ہے جو کہ مترجم کو اس مشکل لیکن دلچسپ سفر یعنی ترجمہ نگاری پر آمادہ کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ترجمہ نگاری کا سب سے بڑا مقصد علم اور معلومات کو کسی زبان سے ایک ایسی زبان میں منتقل کرنا ہے کہ جس میں اس علم یا ان معلومات پر تخلیقی یا تصنیفی مواد تحریری صورت میں نہیں پایا جاتا۔ اس بڑے مقصد کی تین نوعیتیں یا تین سطحیں ہو سکتی ہیں۔ معلوماتی، تہذیبی اور جمالیاتی۔ مترجم یا تو محض کسی علم یا فن سے متعلق معلومات ترجمے کے ذریعے سامنے لاتا ہے یا تخلیق کی زبان کے تہذیبی پہلو یا خود تخلیق میں موجود تہذیبی تصورات کو ترجمے میں یا ترجمے کی زبان میں منتقل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے اس جمالیاتی کیف و انبساط کو تخلیق کی زبان سے ترجمے کی زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے جو الفاظ و خیالات کی مخصوص ترتیب و تنظیم سے پیدا ہوتا ہے۔ ترجمے کی یہ نوعیت شاعری کے ترجمے سے متعلق ہے چونکہ یہ عمل سب سے زیادہ مشکل بلکہ تقریباً ناممکن

ہے اس لیے بعض مشاہیر نے شاعری کے ترجمے کو ناممکن قرار دیا ہے۔ پروفیسر محمد حسن نے مقصد ترجمہ نگاری کی تین نوعیتوں یا سطحوں کی بنیادی خصوصیات پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ان کے مطابق معلوماتی نوعیت کے مطابق معلومات اہم ہیں اس لیے اس طرح کے ترجمے میں قطعیت اور صراحت پر زور دیا جاتا ہے۔اسی طرح تہذیبی سطح تہذیبی معنویت کی حامل ہوتی ہے جبکہ جمالیاتی نوعیت کی خاص پہچان کیفیت ہے۔اس طرح ایک مترجم کو الگ الگ اور کبھی بیک وقت مقصد ترجمہ کی ان تینوں سطحوں یا نوعیّتوں کے حصول میں کامیاب ہونا لازمی ہے تاکہ ترجمہ نگاری کا مقصد پورا ہو اور ترجمے کی صحیح شکل سامنے آسکے۔

## اپنی معلومات کی جانچ

1۔ ترجمے کو باز تخلیق (Recreation) کیوں کہا جاتا ہے؟

2۔ انگریزی زبان میں جملہ بنانے کا کیا قاعدہ ہے؟

3۔ محاورہ یا کہاوت کے لفظی ترجمے سے کیوں بچنا چاہئے؟

4۔ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار برس کی زندگی سے بہتر ہے''۔یہ کس کا قول ہے؟

5۔ اردو میں ارسطوٹل کی شکل کیا ہوگی؟

6۔ مفرد لفظ کسے کہتے ہیں؟

7۔ مرکب لفظ سے کیا مراد ہے؟

8۔ ترجمہ میں مفہوم کے علاوہ اور کیا کیا منتقل کیا جاتا ہے؟

## 1.5 اکتسابی نتائج

انسان ابتدا ہی سے دوسرے انسانوں کے خیالات ،افکار،احوال اور احساسات جاننے اور ان تک اپنے خیالات ، جذبات اور احساسات پہنچانے کا خواہش مند رہا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ترسیل کی یہ خواہش دراصل انسان کی ضرورت بھی ہے کیونکہ انسان بقول ارسطو ایک سماجی حیوان ہے چونکہ مختلف علاقوں اور خطوں میں رہنے والے انسانوں کی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں اس لیے ربط باہمی اور خیالات کی ترسیل کے لیے ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جیسے جیسے علوم وفنون کا ارتقا ہوا ترجمے کے ذریعے ان سے متعلق معلومات بھی دوسری زبانوں میں منتقل کی جانے لگیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ کسے کہتے ہیں یا ترجمہ کی کیا تعریف ہے۔ترجمہ دراصل کسی بھی طرح کے خیال، جذبہ،علم،فہم اور فن سے متعلق معلومات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔ترجمے کا سب سے اہم عنصر منتقلی کا عمل ہے۔ یہ کام آسان نہیں کیونکہ یہ عمل دو ایسی زبانوں کے مابین انجام پاتا ہے جو تہذیبی جمالیاتی ،ثقافتی ،صرفی اور نحوی سطح پر

ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ دونوں کے پاس محاوروں، کہاوتوں، ضرب الامثال، تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کا اپنا سرمایہ ہوتا ہے جو الگ الگ تہذیبی بنیادوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ یہی وہ دشواریاں ہیں جن کی وجہ سے مترجم کو بسا اوقات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے پھر اگر وہ کامیاب ترجمے کے عمل سے عہدہ برآ بھی ہو جائے تو بھی اس ترجمے کی تخلیق کے مقابلے چنداں اہمیت نہیں حاصل ہوتی۔ اسی لیے گرانٹ شاورمین کرسپلی ترجمہ نگاری کو ایک گناہ قرار دیتا ہے۔ ترجمے کے اقسام یا مختلف شکلوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ موضوع اور طریقۂ کار و تکنیک کی بنیاد پر ترجمہ درج ذیل طریقے کا ہوتا ہے۔

**(الف) موضوع کی بنیاد پر:**

(1) ادبی ترجمہ

(2) علمی ترجمہ

(3) صحافتی ترجمہ

**(ب) طریقۂ کار کی بنیاد پر:**

(1) لفظی ترجمہ

(2) آزاد ترجمہ

(3) تخلیقی ترجمہ

ترجمہ کے اغراض و مقاصد پر گفتگو کرتے وقت یہ جاننا ضروری ہے کہ مترجم کی دو زبانوں سے گہری واقفیت ہونی چاہیے یعنی تخلیق کی زبان اور ترجمے کی زبان۔ فن ترجمہ نگاری کے ماہرین کی رائے کے مطابق مترجم کو تصنیف یا تخلیق کی زبان کے قواعد، محاوروں، ضرب الامثال، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات سے گہری واقفیت لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے ترجمے کی زبان پر بھی یکساں قدرت ہونی چاہیے اور مترادفات کے علم کے ساتھ ہی اصطلاح سازی کے مسائل اور اصولوں سے بھی واقف ہونا چاہیے۔

ایک اور اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ آخر کیوں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد اس علم یا معلومات کو ترجمے کی زبان میں منتقل کرنا ہے جو تخلیق مواد کی صورت میں کسی زبان میں موجود ہے۔ اس مقصد کی تین سطحیں یا نوعیتیں ہیں۔ (1) معلوماتی (2) تہذیبی (3) جمالیاتی۔ مترجم یا تو معلومات کو منتقل کرتا ہے یا تہذیبی تصورات یا پھر جمالیاتی کیف و انبساط کو اور یہ کام کبھی اسے بیک وقت انجام دینا ہوتا ہے اور کبھی مختلف اوقات میں۔ اس طرح معلومات پر مبنی ترجمہ قطعیت اور صراحت، تہذیبی نوعیت کا حامل، ترجمہ تہذیبی معونیت اور جمالیاتی نوعیت کا حامل ترجمہ کیفیت سے مملو ہوتا ہے۔ دراصل ترجمہ نگاری کا مقصد محض معلومات کو منتقل کرنا نہیں ہے بلکہ تہذیبی تصورات اور جمالیاتی کیف و انبساط کو بھی ترجمے میں سمونا ضروری

ہے۔تب ہی کامیاب ترجمہ سامنے آسکے گا۔

## 1.6 فرہنگ

| | |
|---|---|
| ترسیل | دوسروں تک اطلاع یا بات پہنچانا |
| ابلاغ | کوئی خیال یا بات دوسروں تک پہونچانے میں کامیابی |
| بعینہ | ہو بہ ہو، جیوں کا تیوں |
| فہم | عقل، شعور |
| متقاضی | تقاضا کرنے والا |
| صرفی | علم صرف سے متعلق (صرف۔کلموں کی شناخت کا علم) |
| نحوی | علم نحو سے متعلق (نحو۔کلموں کی ترتیب کا علم) |
| ضرب الامثال | کہاوتیں، وہ جملے جو مثال کے طور پر مشہور ہوں |
| لسانی | زبان سے متعلق |
| مترادفات | ایسے الفاظ جو تقریباً ہم معنی ہوں |
| تشبیہ | کسی ایک چیز کو کسی مشترک صفت کی بنا پر ہم صفت شئے کے مماثل قرار دینا |
| استعارہ | کسی مشترکہ صفت کی بنا پر کسی چیز کو ہم صفت شئے کا نام دینا مثلاً حامد شیر ہے یہاں حامد اور شیر میں بہادری مشترک صفت ہے |
| علامت | نشان، آثار، اشارہ |
| صنعت | کاریگری |
| محیط | احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا |
| ذولسان | دو زبانوں سے واقف |
| ثمرہ | نتیجہ، ماحصل |
| فاعل | کام کرنے والا |
| فعل | کام |
| مفعول | جس پر واقع ہو |
| لغوی | لغت سے منسوب |
| اصطلاح | کسی علم وفن یا حرفے کا تشریح طلب خاص لفظ |

| | |
|---|---|
| مشاہیر | نامور، بزرگ آدمی |
| مفرد | اکیلا، تنہا |
| مرکب | ملا ہوا، ملایا گیا |
| صوتی | آواز سے متعلق |
| تلمیح | کلام میں کسی قصے یا واقعے کی طرف اشارہ کرنا |
| انبساط | خوشی، مسرت، لطافت |
| صراحت | وضاحت |
| معنویت | پرازمعنی، جس میں معنی ہوں |
| عہدہ برآ ہونا | فرض کو پورا کرنا |
| متبادل | قائم مقام، کسی چیز کا بدل |
| کیف | کیفیت کا مخفف، حالت |

## 1.7 نمونہ امتحانی سوالات

### معروضی جوابات کے حامل سوالات

(1) طریقہ کار اور تکنیک کے لحاظ سے ترجمہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

(2) موضوع کے لحاظ سے ترجمے کی تین قسمیں بیان کیجیے۔

(3) مندرجہ ذیل ناموں کا اردو میں ترجمہ لکھیے۔

Aristotle(a) Alexander(b) Socrates(c) Plato(d)

(4) ذیل میں ٹیپو سلطان شہید کے مشہور زمانہ قول کا انگریزی میں ترجمہ کیجیے:

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار برس کی زندگی سے بہتر ہے۔''

(5) مترادفات کسے کہتے ہیں؟

### مختصر جوابات کے حامل سوالات

(1) ترجمے کی تعریف بیان کیجیے اور یہ بتائیے کہ آپ کسے جامع تعریف سمجھتے ہیں؟

(2) اصطلاح سازی کے تعلق سے مترجم کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ لکھیے۔

(3) ترجمے کے اہم مسائل کیا ہیں؟ تفصیل سے لکھیے۔

**طویل جوابات کے حامل سوالات**

(1) ترجمے کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالیے۔

(2) تخلیق یا تصنیف کی زبان سے مترجم کی واقفیت کس حد تک ہو؟ بحث کیجیے۔

(3) ترجمے کی زبان کے کن پہلوؤں سے مترجم کی واقف ہونا ضروری ہے؟ اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

## 1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ | فن ترجمہ نگاری | مرتب خلیق انجم |
| 2۔ | ترجمے کا فن اور ادارت | مرتب ڈاکٹر قمر رئیس |
| 3۔ | ترجمہ روایت اور فن | نثار احمد قریشی |
| 4۔ | ترجمے کا فن | ڈاکٹر مرزا حامد بیگ |
| 5۔ | اردو زبان میں ترجمے کے مسائل | اعجاز راہی |

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

# اکائی 2۔ ترجمہ کی اہمیت اور استعمال

## اکائی کے اجزا


2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 نسل انسانی کا ارتقاء اور آپسی رابطہ

2.3 اشارات: ابتدائی لسانی فہم کی بنیاد

2.4 الفاظ: خیالات کا پیکر

2.5 ترجمے کا جواز

2.6 آخر ترجمہ ہی کیوں؟

2.7 مختلف ادوار میں ترجمہ کی اہمیت

2.8 ترجمہ کی ضرورت و اہمیت ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں

2.9 ترجمہ کی مختلف میدانوں میں افادیت

2.9.1 ترجمہ اردو زبان و ادب

2.9.2 ترجمہ اور تدریس

2.9.3 ترجمہ اور پیشہ وارانہ تعلیم کے میدان

2.9.4 علمی تراجم

2.9.5 ترجمہ اور صحافت

2.9.6 دفتری و قانونی تراجم

2.9.7 ترجمہ اور مذہب

2.10 اکتسابی نتائج

2.11 فرہنگ

2.12 نمونۂ امتحانی سوالات

2.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 2.0 تمہید

’’ترجمہ‘‘ عالم ادب کی مروجہ اور معروف اصطلاح ہے۔ ہر دور میں انسان نے اس فن سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ دنیائے علم وادب میں ترسیل علم اور تسلسل کے لیے ہمیشہ ترجمہ ایک اہم ترین کڑی رہا ہے۔لیکن اس کے باوجود ’’طبع زاد‘‘ اوراصل کے مقابلے میں اس کی اہمیت کم ہی مانی گئی ہے اگرچہ دوسری زبانوں سے ماخوذ ہونے کی بنا پر اسے بالعموم الگ پہچان دی جاتی ہے۔

عالمِ انسانی میں ترجمہ کی روایت نہایت قدیم ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا کے اولین انسانوں کو اپنے ابتدائی ایام ہی نہیں میں اس عمل سے لاشعوری طور پر استفادہ کرنا پڑا ہوگا۔ دنیا میں انسان کی ابتدا کے مذہبی تصور کو مانا جائے یا سائنسی تصورات پر یقین کیا جائے اس بات سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ نسلِ انسانی جب دنیا میں پھیلی اور لوگوں نے اپنے اپنے تجربات کی بنیاد پر مختلف اشیاء کے مختلف نام تجویز کیے تو نئے الفاظ وجود میں آنے لگے اور پھر جب کبھی کہیں، کسی مقام پر ان کی ملاقات اپنے ہم نسل دوستوں سے ہوئی ہوگی تو انہوں نے خود آپس میں مختلف الفاظ اور اسماء کے درمیان فرق کو محسوس کیا ہوگا اور اشاروں کنایوں کے ذریعے مترادفات کو سمجھنے کی کوشش کی ہوگی۔ یہی عمل، ترجمہ کی ابتداء ہے۔ پھر جب انسان نے تحریر کا کام شروع کیا اور مختلف زبانوں میں علمی مواد کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جانے لگا تو ترجمہ کی حقیقی صورت گری ممکن ہوئی۔

موجودہ دور میں ترجمہ کی تاریخ نہایت ہی نامکمل شکل میں موجود ہے۔ یہ تاریخ زیادہ تر یوروپی محققین اور مترجمین کی مرتب کردہ ہے۔ اکثر مغربی ماہرین ترجمہ کے مطابق ترجمہ رومیوں کی ایجاد ہے۔ رومیوں نے یونانی زبان سے لطیف خیالات، حسین وجمیل افکار اور خوبصورت الفاظ کے خزانۂ ادب کو اپنی زبان میں منتقل کرتے ہوئے اسے ادبی اعتبار سے مالا مال کرنے کے لیے ترجمہ کا آغاز کیا۔ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ یونانی علم وادب اس لیے بہت زیادہ معیاری تھا کہ یونانی افکار خود اصل افکار تھے۔ان کے گہرے تخیل اور عمیق غور وفکر نے فطرت کے کئی سربستہ رازوں کو ان کے سامنے وا کیا تھا اور اسے انہوں نے ان کو اپنے ادب کا ایک حصہ بنا دیا تھا۔ جب کہ رومی ایک عملی قوم تھی اور ان کے فکر انطباقی یا اطلاقی فکر تھی۔ وہ شئے کے حسن سے زیادہ اس کے استعمال پر توجہ دیتے تھے۔لہٰذا ان کی زبان میں وہ گہرائی اور ادبیت نہیں تھی جو یونانی زبان میں تھی۔ رومی اس کمی کا ادراک رکھتے تھے اور بالواسطہ اس کی تکمیل کے لیے انہوں نے یونانی ادب سے رومی زبان میں مختلف اصناف کی منتقلی کا کام شروع کیا۔

علمی دنیا میں ترجمہ سے استفادہ کا دوسرا بڑا دور عباسی دور خلافت ہے جب کہ ایک مسلمان خلیفہ مامون رشید نے

یونانی سرمایہ علم و ادب اور فلسفہ افکار سے راست استفادہ کا منصوبہ بنایا اور ہزاروں صفحات یونانی اور دوسری زبانوں سے عربی زبان میں ترجمہ کیے گئے۔ اس ترجمہ شدہ مواد سے مسلمانوں نے بھرپور استفادہ کیا اور دنیا نے عربوں کے علمی عروج اور سائنسی ترقی کا ایک سنہرا دور دیکھا۔

ترجمہ کا تیسرا عظیم دور عربوں سے علوم اور فنون کی یورپ کو دوبارہ منتقلی ہے۔ عربوں نے یونانی علوم سے نہ صرف فائدہ اٹھایا بلکہ علمی سفر کو مزید آگے بھی جاری رکھا اور نئی نئی تحقیقات اور سائنسی تجربات کے ذریعے جدید ایجادات اور انکشافات سے دنیا کو روشناس کرایا۔ یہ علوم وفنون کی پندرھویں صدی عیسوی سے یورپ کو منتقل ہونے لگے۔ راجر بیکن وہ پہلا فرد تھا جس نے مسلمانوں کے دور میں فروغ پائی تجربی سائنس کے مواد کو بغداد، اشبیلہ اور طلیطلہ کی جامعات سے یوروپی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام انجام دیا تھا۔

دورِ جدید علمی دھماکہ اور لسانی ہمہ گیریت کا دور ہے۔ آج انفارمیشن ٹکنالوجی نے ساری دنیا کو ایک عالمی گاؤں (Global village) میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس دور میں ترجمہ کی حیثیت صرف ایک معمولی فن کی ہی باقی نہیں رہی ہے بلکہ ہمہ لسانی اور ہمہ تہذیبی سماج میں ترجمہ عملی سطح پر ایک پل کا کردار انجام دیتا ہے۔ اس کے ذریعے علوم، خیالات اور تصورات ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف آتے جاتے ہیں۔ اس طرح درآمد اور برآمد کی دونوں کیفیات اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔

مشینی ترجمہ کی ایجاد نے ترجمہ کی رفتار اور معیار دونوں سطحوں میں اضافہ کیا۔ اب ترجمہ دنیا کی ترقیات کے ساتھ نہایت ہم آہنگ انداز میں سفر کرنے کے قابل بن چکا ہے۔ سیاست ہو کہ صحافت، علم و ادب ہو کہ تہذیب وتمدن ہر سطح پر درکار مواد اور معلومات اور ہو رہی تبدیلیوں کو ترجمہ کے ذریعہ فوراً اپنی من پسند زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ زبانی ترجموں کے فن میں بھی مشینوں نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے۔ اور ہمہ لسانی اجتماعات میں اس نے تو اپنی اہمیت منوائی ہے۔ آج مختلف ممالک کے پارلیمانی اداروں اور حکومتی تنظیموں میں اس کا بڑے پیمانے پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ عالمی ادارہ "اقوام متحدہ" (یو این او) کے اجلاسوں میں اس فی البدیہہ ترجمے کے نظام سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے۔

## 2.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ:

- ☆ ترجمے کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈال سکیں۔
- ☆ مختلف ادوار میں ترجمے کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- ☆ ترجمے کی مختلف اقسام کے بارے میں جان سکیں۔
- ☆ ہندوستان کے پس منظر میں ترجمے کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- ☆ صحافت کے نظریے سے ترجمے کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈال سکیں۔

## 2.2 نسل انسانی کا ارتقاء اور آپسی رابطہ

دنیا میں انسان کی آمد کے مذہبی تصور اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء، ہر دو صورتوں میں یہ بات مسلمہ ہے کہ انسان نے ہر دور میں ترقی کی ہے آج انسان کی موجودہ شکل اس کی ترقی یافتہ صورت ہے مزید یہ کہ ارتقا کا یہ عمل جاری ہے۔ اسلام کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اللہ تعالی نے خلیفہ یا اپنا نائب بنا کر بھیجا اور انہیں ان کی ذمہ داریوں کی کما حقہ ادائیگی کے لیے نعمت نطق سے سرفراز فرمایا۔ اس ضمن میں قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ " ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا" قوت گویائی کے علاوہ انسان کو علم بھی دیا گیا اس سلسلے میں قرآن بتاتا ہے ''ہم نے آدم کو تمام اشیاء کے نام بتادیئے۔''

تقریباً یہی عقیدہ اہل کتاب کا بھی ہے۔ اشیاء کے نام سکھانا دراصل اشارات کے مقابلے میں باضابطہ زبان کو ترسیل خیالات کا وسیلہ بنانا ہے۔ اس طرح انسانوں کا یہ ترسیلی واسطہ صوتی زبان قرار پاتا ہے۔ یہی صوتی رابطہ ترقی پاتا گیا اور ابن آدم نے بات کرنا سیکھا۔ پھر اپنی ذہنی کیفیات افکار و خیالات اور احساسات کی ترجمانی کے لیے اظہار خیال اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے گفتگو کا سہارا لیا۔ اس طرح باضابطہ انسانی روابط کے تسلسل کا آغاز ہوا۔

## 2.3 اشارات ابتدائی فہم کی بنیاد

انسانوں نے ابتدائی دور میں آپسی رابطے کے لیے اور اپنے خیالات اور احساسات کے اظہار کے لیے جسمانی یا صوتی اشارات اور حرکات وسکنات کو استعمال کیا۔ یہ اشارات اس کے ابتدائی فہم کی بنیاد ہیں۔ پھر انسان کو جو کچھ علم دیا گیا تھا اور مختلف اشیا کے نام اس کے ذہن میں محفوظ تھے ان کے استعمال کے ذریعے مختلف الفاظ وجود میں آنے لگے اور ان الفاظ نے بعد میں تحریر کی شکل اختیار کر لی۔ اشارات کا انسانی دماغ اور محسوسات پر کتنا اثر ہوتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج انسان اپنی گفتگو کی واضح طور پر ترسیل کے لیے جسمانی حرکات وسکنات (باڈی لینگویج-Body Language) کا سہارا ضرور لیتا ہے۔ جب دو اجنبی زبانوں کے ماننے والے مل جاتے ہیں تو اولاً اشارات ہی ان کے فہم اور آپسی رابطہ کی بنیاد بنتے ہیں۔ دراصل اشارات کے ذریعے انسان اپنی بات کی ترسیل میں بصارت کی حس کا بھی استعمال کرتا ہے جب کہ زبانی رابطہ میں صرف سماعت ہی کا استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں انسانوں نے ان اشارات کو مخصوص صوتی یا جسمانی حد تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ الفاظ کی شکل میں مستقلاً محفوظ کر دیا۔

## 2.4 الفاظ خیالات کا پیکر

الفاظ کے استعمال نے انسانی روابط اور خیالات کی ترسیل کے نظام کو مستحکم کر دیا۔ پھر نت نئے الفاظ کی ایجاد اور غور و فکر کے مستقل جاری عمل نے گویا الفاظ کو انسانی خیالات کا مجسم اور پیکر بنا دیا۔

نسلِ آدم کے خطہ ارضی پر اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے پھیلنے کے عمل، تجربات اور گزرتے وقت نے ان کے

سامنے نئی نئی معلومات بھی فراہم کیں۔ یہ نقل مکانی یا مستقل سفر ابتدائی ایام سے آج تک جاری ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں انسانی آبادی کے وجود سے یہ بات ثابت بھی ہوتی ہے۔ زمانے کی ترقی، اطراف واکناف کے ماحول نئے نئے تجربات کے دوران انسان نے حیوانات، نباتات، جمادات اور مختلف عمومی اشیاء کی پہچان کے لیے نئے صوتی اشارے الفاظ اور نام وضع کیے۔ اس طرح دنیا کے مختلف علاقوں میں زبانیں وجود میں آئیں۔ ہر علاقے میں بولنے والوں نے کچھ زبانی یا تحریری اصولوں کی تدوین کے ذریعہ اپنی ترسیلی رابطہ کو آراستہ کیا اور الفاظ کو نہایت ترتیب اور تسلسل کے ساتھ واضح طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ یہی شے زبان کہلاتی ہیں۔ زبان انسانوں کے مافی الضمیر کو ادا کرنے کا وسیلہ بنتی ہے۔

مختلف زبانوں کو جاننے والوں کا جب آپسی رابطہ ہوا تو انہوں نے ترجمہ کو اپنے فہم کی بنیاد بنایا۔ ترجمہ میں دراصل دو زبانوں کے الفاظ کے درمیان منتقلی کا عمل انجام پاتا ہے۔ اس دو زبانوں، تہذیبوں یا تمدن کے درمیان بامعنی مفہوم منتقل ہوتا ہے۔ اس طرح ''الفاظ'' ترجمہ کے عمل میں اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔

## 2.5 ترجمے کا جواز

ترجمے کے سلسلے میں اکثر ناپسندیدگی کے رجحانات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ ''اصل'' یا ''طبع زاد'' کے مقابلہ میں ابتدائی دور میں تو کبھی کبھی ترجمہ کو اہمیت نہیں دی گئی۔ رومیوں نے جب یونانی ادب کے موتیوں اور جواہر کو اپنی زبان میں منتقل کرنا شروع کیا تو یونانیوں کو یہ بات قطعاً گوارا نہیں تھی ان کی شدتِ احساس کا اندازہ اس یونانی مقولہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''ترجمہ ہمیشہ ایک بھنی ہوئی اسٹرابری ہی رہے گا'' اس سے وہ ترجمہ اور اصل چیز کے درمیان میعار اور ذائقے کے فرق کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر سموئل جانسن بھی شاعری کے ترجمے کو نامکمل قرار دیتے ہیں اور جے ایچ فریزر کو ترجمے کی زبان قابل التفات دکھائی نہیں دیتی۔ حد یہ ہے کہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مطابق مشہور مترجم ایڈورڈ فٹز جیرالڈ زندہ کتے کو، مردہ شیر سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ کے فن سے متعلق یہ کیفیت 19 ویں صدی تک کی ہیں جب کہ بیسویں صدی میں دو گروہ وجود میں آئے اگر گرانٹ شاورمین کرسیلی اور پروفیسر ایلبرٹ گیراڈ نے ترجمہ کو گناہ یا سعی نامشکور قرار دیا تو دوسری طرف خود ایلبرٹ گیراڈ کو اس بات کا معترف ہونا پڑا کہ ''عالمی ادب کے تصور کو ایک ٹھوس حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے ترجمہ ایک ناگزیر وسیلہ ہے'' (حوالہ مقدمہ ادب عالم)۔

وکٹر ہیوگیو نے ترجمہ کو "Absuard" اور Impossible کہا تھا اور گوئٹے کا کہنا تھا کہ A Good Translation takes "us a very long way"۔ عملی سطح پر ارنسٹ فینولورا، عذرا پاؤنڈ اور آتھر ویلی نے ترجمہ ہی کے زریعہ قدیم شاعری کو مشرق و مغرب کی حال کی شاعری میں بدل دیا۔

ترجمہ نے دورِحاضر میں اپنی اہمیت کو اپنے طویل تاریخی سفر اور سرمایۂ علم وادب میں زبردست اضافوں کے ذریعہ اپنی اہمیت منوالی ہے۔علم وادب کی دنیا میں اگر اصل یا طبع زاد کی اہمیت ہے تو وہیں علمی جواہر کی توسیع واشاعت میں ترجمہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور کسی بھی دور میں ترجمے سے اہل علم نے بالکلیہ صرف نظر نہیں کیا ہے۔

اولاً ترجمہ کے ذریعے زبان کئی اعتبار سے پھلتی پھولتی ہے۔ترجمہ جہاں الفاظ اور زبان کی ترقی کے ذریعے علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے وہیں ذہنی کشادگی بھی فراہم کرتا ہے۔زبان کی سطح پر ترجمہ افکار وخیالات اور جذبات واحساسات کو مکمل طور پرسمونے کے لیے نئے نئے اسلوب (Style) اختیار کرتا ہے۔

ثانیاً ترجمے کے عمل میں ایک طرف تو نئے الفاظ اور استعارے جنم لیتے ہیں تو دوسری طرف اپنے اور قدیم الفاظ میں حیات آفرینی کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ نئے محاورے اور نئے اصطلاحات سے زبان وادب میں زبردست ترقی ہوتی ہے۔ ترجمہ نے جدید اصناف ادب سے بھی میدان ادب کو روشناس کرایا ہے۔

ثالثاً ترجمہ عملی سطح پر دو زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔متن کا اس کی تمام اسلوبی خصوصیات اور تہذیبی کیفیات کے ساتھ کسی دوسری زبان میں منتقل ہوجانا ہی ترجمے کا اصل جوہر ہے۔ترجمہ کے ذریعے علوم، افکار وخیالات اور نظریات وتصورات ایک تہذیب سے دوسری تہذیب اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ترجمے کے عمل میں درآمد اور برآمد کی دونوں کیفیات شامل رہتی ہیں۔ یہ ترجمہ کی افادیت ہی ہے کہ عالمی سطح پر رابطوں کو بحال کرنے اور ان میں استحکام اور مضبوطی لانے کے لیے ترقی یافتہ قوموں میں ''ترجمہ کے عظیم الشان منصوبے'' مسلسل جاری ہیں۔مغرب نے دیگر اقوام کے طور طریقوں، مذہب، ادب اور تہذیب وتمدن کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ تراجم کا سہارا لیا ہے۔آج بھی دور جدید کی بڑی طاقتیں دنیا بھر کے علوم وفنون اور ادبیات کے ترجموں کے لیے اپنا ایک وسیع اور مضبوط نظام رکھتی ہیں۔

## 2.6 آخر ترجمہ ہی کیوں؟

ترجمہ کے سلسلے میں سب سے پہلا سوال تو یہی اٹھتا ہے کہ آخر ترجمہ ہی کیوں؟ پھر یہ سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں کہ کیا علم وادب کی دنیا ترجمہ کے بغیر نامکمل رہے گی؟ اور کیا دنیا کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی پس منظر میں ترجمہ لازمی اور ضروری عمل ہے؟ وغیرہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب "مغرب سے نثری تراجم" میں اس پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ان کے مطابق ''عام طور پر دنیا بھر میں ترجمہ چار وجوہات کی بنا پر ہوا۔''

1۔ مذہبی تقاضوں کے سبب پیغامِ الٰہی کی نشر واشاعت کی صورت میں ہمارے ہاں سیرام پور کے عیسائی مشنریوں اور شاہ عبدالقادر، دونوں کا ترجمے کے بارے میں مقصد اور نقطۂ نظر یکساں تھا، وہ ایک عام آدمی تک خدا کا کلام اور پیغام خود ان کی زبان میں پہنچانا چاہتے تھے۔ترجمے کی ایسی ضرورت جو اس ضمن میں نظر آتی ہے خالصتاً مذہبی تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے اور پیغامِ الٰہی کی نشر واشاعت کا ذمہ لیتی ہے۔

2۔ قومی سطح پر ترقی یافتہ اقوام کے علوم وفنون وادبیات سے واقفیت حاصل کرنے کی خاطر۔ اس باب میں ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:

جس طرح یونان کا اثر رومہ اور دیگر اقوام یورپ پر پڑا، جس طرح عرب نے عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے یورپ کی تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی، اسی طرح آج بھی ہم بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانونِ عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہے گا:

'دیے سے دیا جلتا ہے'

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔

3۔ گھٹن کے خلاف، تازہ ہوا کی جستجو میں۔ بقول ڈاکٹر سہیل احمد خان:

پابندیوں کے زمانے میں ایسے افسانوں اور ایسی نظموں کے تراجم زیادہ ہونے لگتے ہیں جن میں پابندیوں کے خلاف باغیانہ لہجہ یا جبر کا احساس نمایاں ہو۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے ادیبوں کی یہ روحانی ضرورت بن گئی ہے یا وہ شعوری طور پر تہذیبی اور سماجی صورت حال کے پس منظر میں ایک خاص نوعِ کی تخلیقیت سے دلچسپی رکھنے پر مجبور ہیں۔ دو باتیں جنہیں وہ خود بیان نہیں کر سکتے انہیں ترجموں کی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔ اس طرح کے تراجم خود ان ادیبوں کے گرد کھڑے جبریت کے حصار کو کسی حد تک توڑتے ہیں اور قاری بھی کے بعض کوائف کو پہچان کر ایک حد تک ان کے ذریعے جبر و احتساب کی فضا سے نکل آتا ہے۔ اس لحاظ سے ان تراجم کا جواز اصل تخلیقیت کے بعض موضوعات میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

4۔ آزادی کے بعد اردو زبان کو اپنی حیثیت منوانے کے لیے اور بالخصوص اپنی زبان ہی کا سہارا لے کر ترقی کی منازل طے کرنا تھیں۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ سرکاری، تعلیمی، علمی اور ادبی امور کے لیے دنیا بھر کی زبانوں سے اردو میں تراجم کیے جائیں۔ تاکہ ایک تو اردو کے علمی اور ادبی سرمایہ میں اضافہ ہو سکے، دوسری دفتری عدالتی اور سرکاری امور کو جلد از جلد اردو میں انجام دیا جا سکے۔

## 2.7 مختلف ادوار میں ترجمہ کی اہمیت

انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں انسانی تہذیب کی ترقی میں ترجمہ نے زبردست کردار ادا کیا ہے۔ ترجمہ ہر دور میں خود ایک تہذیبی وجود کا حامل رہا ہے اور اس کو واسطہ بناتے ہوئے مختلف تہذیبوں نے آپس میں مختلف تہذیبی عناصر کا تبادلہ کیا ہے۔ اس لیے کہ ترجمہ ایک قوم کے تجربات، جذبات، احساسات اور افکار و نظریات کو دوسری قوم تک نہ صرف پہنچاتا ہے بلکہ قابل فہم بھی بناتا ہے جس کی بنیاد پر وہ اس سلسلۂ غور و فکر کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔ اس سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اولاً غور و فکر کے لیے تیار شدہ بنیاد اور ثانیاً دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ مختلف قوموں اور گروہوں کے درمیان زبانوں کا فرق ایک معروف حقیقت ہے۔ اور یہی اختلاف مختلف قوموں کے درمیان فکری اور عملی خلیج

پیدا کرتا ہے۔ترجمہ دراصل مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان پائی جانے والی اس خلیج کو پاٹنے کا کام انجام دیتا ہے اور ان کے درمیان باہمی افہام وتفہیم کی راہیں بناتا ہے۔

دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ادبیات عالم میں تاریخی ادوار اور انسانی تمدن کی شناخت و بازیافت کا واحد ذریعہ ترجمہ ہی رہا ہے۔رومیوں نے یونانیوں سے علوم وادب کے جوہر ترجمہ کے ذریعہ حاصل کئے۔عربوں نے یونانیوں اور رومیوں کے تجربات اور سرمایہ علم وفن کو ترجمہ کے ذریعے عربی زبان میں منتقل کیا اور عربوں کے علمی خزانوں اور تجربی سائنس کے ذخیرہ راجر بیکن اوران کے دوسرے مغربی ساتھیوں نے یورپ کی مختلف زبانوں میں منتقل کیا۔خود ہندوستان میں مغلوں کے زوال کے بعد فارسی کی معتبر اور قدیم کتب کو اردو زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔اسی طرح اسرائیل کے نوبل انعام یافتہ ادیب آئزک باشونگر نے عبرانی زبان اور اہل یہود کی معدوم ہوتی ہوئی تہذیب کی حفاظت اپنی انگریزی تحریروں کے ذریعے کی ہے۔تہذیبِ انسان کی ترقی ونشونما کسی ایک قوم یا اسی تہذیبی گروہ کی ترقی نہیں ہیں بلکہ یہ ترقی تمام انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔کسی اجتماعی تہذیب کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ تمام انسانوں کے لیے قابل رسائی اور قابل استفادہ نہ ہو۔یہ کام صرف ترجمہ ہی سے ممکن ہے۔یوں ترجمہ صرف مختلف علوم وفنون کے نشونما کا کام ہی نہیں کرتا بلکہ مختلف انسانی گروہوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور ایک مشترکہ تہذیب کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔اس پوری بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کا سرمایہ علم وادب اوران کی تہذیبی روایات ایک دور سے دوسرے دور میں ترجموں کے ہی ذریعے منتقل ہوتی رہی ہیں۔

## 2.8 ترجمہ کی ضرورت واہمیت: ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں

ہندوستان جغرافیائی سماجی اعتبار سے دنیا کے نقشہ پر ہمہ پہلو اہمیت کا حامل ملک ہے۔یہاں کا مخصوص مشرقی مزاج، پراسرار علوم وفنون، سیاسی سوجھ بوجھ، معاشی منصوبہ بندی اور تہذیب دنیا بھر میں مشہور تھی۔ہندوستان کے سفر ناموں اور مشرقی منڈیوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تجارتی قافلوں کی داستانوں نے ہندوستان کو مشرق وسطیٰ اور مغرب میں ''سونے کی چڑیا'' اور ''پراسرار تہذیبی خزینہ'' مشہور کر دیا تھا۔ہندوستان میں بیرونی اقوام کی آمد تاریخ کا ایک تسلسل ہے۔یہاں پہلے آریائی اقوام نے اپنی قسمت آزمائی کی۔پھر بدھ مذہب کی توسیع کے بعد چین اور برما کے علاقوں سے لوگوں نے داخلے کا راستہ اپنایا،عرب تجارت کے لیے مالابار کے علاقے سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور عرب اور ترک کے اقوام سندھ کے علاقے سے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے پھر مغربی اقوام نے مغلوں کے زوال کے بعد ہندوستان کی جانب رخ کیا۔اس طرح ہندوستان کی تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ یہاں کی سرزمین ہمیشہ مختلف لسانی تجربات کی آماجگاہ بنتی رہی۔آریہ اقوام کی آمد کے بعد یہاں کی مفتوح ڈراویڈین قوموں پر آریائی زبانوں کا اثر نمایاں محسوس ہوتا ہے۔جب عرب مالابار کے علاقے سے ہندوستان میں تجارتی مقاصد کے تحت داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی سہولت کی خاطر یہاں کی زبان سیکھی اور عربی زبان کو یہاں منتقل کیا۔اس طرح دو تہذیبوں کا ترجموں کے ذریعہ سے اشتراک عمل میں آنے لگا۔

1498ء میں جب پرتگالی جہاز واسکوڈی گاما کی قیادت میں مالا بار کے ساحلی علاقے پر لنگر انداز ہوئے تو اس کے بعد کالی کٹ کی بندرگاہ پر مختلف مغربی اقوام کا جمگھٹا رہنے لگا۔ ہندوستان میں مغربی زبانوں کے تراجم کی ابتدا کا یہی زمانہ ہے۔ پرتگالیوں کو بائبل کے تراجم کے معاملے میں اولیت حاصل ہے۔انہوں نے اپنے مذہب،تجارتی مقاصد کے انتظام دونوں کے لیے ترجموں کا سہارا لیا۔اور یہ تراجم ان کے مقاصد میں نہایت کارآمد بھی رہے۔

اکبر کے دور میں جب شاہزادوں کو عیسائی پادریوں کا شاگرد کیا گیا تو یونانی کتب کے ترجمہ کا سامان فراہم کیا گیا۔اکبر خود انجیل کا ترجمہ کرانا چاہتا تھا لیکن اس کی زندگی میں یہ ممکن نہ ہو سکا۔یورپین اقوام کے ہندوستان میں آنے کے مقاصد پر نظر ڈالی جائے تو وہ درج ذیل ہوں گے:

1) حکومت کرنے کا خواب 2) اپنے مذہب کے عقائد کی ترویج

زبانوں کے اختلاف اور تہذیبی فرق کے ساتھ ان دونوں مقاصد کا حصول ممکن نہ تھا۔اس لیے انھوں نے تراجم کے ذریعے اپنے خیالات اور افکار کی ترویج کا راستہ اختیار کیا۔بعد کی صورت حال تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ تاج برطانیہ نے نومبر 1858ء میں کمپنی کی حکومت کا خاتمہ کے بعد بڑی لچک دار لسانی پالیسی اپنائی۔ ہندوستان کے اندر مسلمانوں نے مغربی اقوام کی ان کوششوں کو اوران کے پیچھے چھپے مقاصد کو محسوس ضرور کیا لیکن اپنے تہذیبی ورثہ کے تحفظ اور افکار و خیالات کی ترویج کے لیے انھوں نے اس معیار کی کوششیں نہیں کیں جو مغربی اقوام کی جانب سے نظر آتی ہیں۔شاہ ولی اللہؒ نے نہایت سخت اور بند مذہبی ماحول میں حوصلے کے ساتھ قرآن وحدیث کے ترجمے کی بنیاد رکھی۔بعد میں اسی بنیاد پر شاہ رفیع الدینؒ نے لفظی اور شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ اردو ترجمہ کی روایت قائم کی۔بہر حال اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مذہب سے عوامی رابطہ کا وسیلہ ترجمہ ہی بنا ہے۔

ہندوستان میں ترجمہ کی بنیادیں دو مختلف النوع فلسفوں سے اٹھتی ہوئی نظر آتی ہے۔1۔حملہ آور حاکموں کے زیر اثر، 2۔مسلمان صوفیا کے زیر اثر۔یہ دونوں نفسیات سراسر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔حملہ آور حاکموں کے زیر اثر ترجموں کی بنیاد کا آغاز محمد بن قاسم نے شروع ہو کر سلطان محمود غزنوی اور ظہیر الدین بابر کی آمد تک پھیلا ہوا ہے۔اس عرصہ میں مسلمانوں کے فاتح کلچر نے ہندوستان کی زندگی سے بھرپور وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹا اور یہاں کی تہذیب کو نئے ڈھنگ بھی سکھائے۔خصوصاً زبان اور بولیوں پر اس کے غیر معمولی اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔اس دور کی ایک بولی ہندوی، دکنی، ہندوستانی، ریختہ یا اردو تھی جس نے کھلے بازوؤں کے ساتھ نئے کلچر کو خوش آمدید کہا اور اس طرح ترجمہ کو یہاں پہلی بار مناسب فضا میسر آئی۔ترجمے کی اہمیت کو ہندوستان کے مخصوص ہمہ لسانی ماحول میں ہر حملہ آور حکمران نے محسوس کیا تھا۔خصوصاً ظہیر الدین بابر 1522ء سے بہادر شاہ ظفر 1857ء تک مغلوں نے تین سو اکتیس 331 برس حکومت کی۔ اس دور کو ترجمہ کا ایک اور اہم نمائندہ دور کہا جا سکتا ہے۔

صوفیائے کرام نے ہندوستان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ اور برے کاموں سے روکنے کے جذبے کے تحت قدم رکھا تھا اور اسی بنیاد پر انہوں نے اردو زبان کی نشو ونما اور ترجمے کے کاموں کا آغاز کیا تھا۔ ہندوستان کی ہر چیز ان کے لیے اجنبی تھی اور زندگی کا ہر چلن مختلف تھا انہوں نے ترجموں کے ذریعہ ہی یہاں کی عوامی زندگی

میں نفوذ کیا۔ ترجمے کے باب میں صوفیاء کرام کی جانب سے عوام کی رشد و ہدایت کے لیے استعمال کئے گئے ذرائع ابلاغ اردو زبان وادب اور ترجموں کے ابتدائی نمونے قرار پائے جن میں گفتار نامے (نثریہ) خطبات، ملفوظات، اقوال اور نثری رسائل یادگار ہیں۔ صوفیاء نے ہندوی کو تہذیبی سطح پر ترجمہ کا ذریعہ بنا کر ہندوستانی عوام کے لیے ایک نیا تناظر فراہم کیا اور یہ گری پڑی زبان اس قابل ہوگئی کہ ہندوستان میں نو وارد مسلمانوں اور یہاں کے عوام کے درمیان رابطے کا کام انجام دے سکے مزید انھوں نے اردو زبان کی نشو ونما کے ابتدائی چند برسوں میں تراجم کے ذریعے ایک سیکولر لسانی مزاج کو متعین کیا جو بہر حال سنسکرت کی کٹر پن کی بہ نسبت ہمہ گیر کشش کا حامل تھا۔ رسم الخط کے ہی تراجم کے ذریعہ ایک سیکولر لسانی مزاج کو متعین کیا جو بہر حال سنسکرت کے کٹر پن کی بہ نسبت ہمہ گیر کشش کا حامل تھا۔ رسم الخط کے معاملہ میں صوفیائے کرام کے تراجم کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ برصغیر کی گری پڑی زبانیں عربی رسم الخط اختیار کرتی گئیں اور ہندوی کی صورت میں موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر ہندوستان کی مختلف چھوٹی بڑی زبانیں اس سے ہم آہنگ ہوتی چلی گئیں۔ اس طرح ترجموں کا ہی فیض تھا کہ ایک زبان بین صوبائی رابطہ کی زبان بن گئی۔

آزادی کے بعد ہندوستان نے کرہ ارض پر اپنی مخصوص شناخت کو برقرار رکھا ہے۔ سرد جنگ کے دور میں روسی زبان کے ساتھ ہندوستانی زبانوں کے اشتراک کا نیا عمل شروع ہوا اور کثیر تعداد میں روسی علوم وفنون کے جریدے، کتب اور فن پارے ہندوستان کی زبانوں میں ترجمہ ہونے لگے۔ اس دوران عربی اور فارسی کے ساتھ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کی گہری وابستگی کو بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ غیر حکومتی اور خانگی سطحوں پر عربی اور فارسی کے تراجم کا سلسلہ آج بھی جاری ہیں۔ اس ضمن میں مسلمان اس احساس کے حامل ہیں کہ خصوصاً عربی کے ساتھ ان کا دینی رشتہ ہے اور اس کا قائم رہنا ان کے اسلامی شناخت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ عربی زبان کے ساتھ وابستگی اور ترجموں کے کام کے ضمن میں مدارس عربیہ کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد گلوبلائزیشن کے اثرات ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی ماحول پر بھی گہرے مرتب ہوئے اور جدید دور میں ہندوستان کی زبانوں اور دنیا کی دیگر زبانوں کے درمیان ترجمہ نہ صرف تجارتی، سیاسی اور سفارتی مقاصد کے لیے ضروری ہو گیا ہے بلکہ تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بھی اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مشینی ترجمے کی شروعات کے بعد ہندوستان نے بھی اس تیز رفتار اور اہم ترین وسیلہ کو استعمال کرنے پر بھرپور توجہ دی ہے۔ اس سے خود ہندوستان میں بین لسانی روابط کو زبردست استحکام حاصل ہو سکتا ہے اور ہندوستان کے قدیم تہذیبی ورثہ اور روایات کو تمام ہندوستانی عوام تک پہنچایا بھی جا سکتا ہے۔

## 2.9 مختلف میدانوں میں ترجمہ کی افادیت

علم وادب کے دامن میں بڑی وسعت ہے۔ انسانوں نے دنیا کے مختلف خطوں، جغرافیائی علاقوں اور ممالک میں پھیل کر علم وفن کی روشنی سے انہیں منور کیا ہے۔ دنیا نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی اور فروغ کی راہ پر چل رہی ہے۔ ترجمے کے ذریعے مخصوص ممالک، جغرافیائی علاقوں، نسلوں، قوموں اور تہذیبوں کی صورت حال، زندگی اور اس کے تجربات

علم ودانش انسانوں کی ملکیت بنتے ہیں۔ اگر عربی زبان میں سقراط اورافلاطون کے دو ہزار سال سے زیادہ قدیم تحریریں روم یونان کے کھنڈرات میں دب جاتیں، مذہبی کتابوں اور صحائف کے ترجمے اگرنہیں ہوتے تو انسانوں کے معتد بہ تعداد ان سے استفادہ نہ کر پاتی۔ ہمارے ملک میں خود سنسکرت کا بیش قیمت سرمایہ ترجمہ کے بغیر دوسرے زبان کے بولنے والوں سے متعارف نہ ہو پاتا۔علم کی وسعت اور سائنسی ایجادات ودریافتوں کی روزمرہ ترقیاں ترجمہ کے بغیر محدود ہوکر رہ جاتیں۔ غرض ادب ،فلسفہ،سائنس اور مذہبی اعتقادات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو ترجمہ کی دولت سے محروم رہا ہو۔ دور حاضر میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی سے ترجمہ کے میدان میں نئے افق نمودار ہونے لگے ہیں۔ مشینی ترجمہ نے دنیا کے تمام اقوام کو یہ موقع فراہم کردیا ہے کہ وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ خودکوترقی کی موجودہ رفتار کے ساتھ ہم آہنگ کرسکتے ہیں۔

### 2.9.1 ترجمہ اور زبان وادب

ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اور اس میں انسانی زندگی کے بیشتر اور جدید تجربات کونہایت خوبصورتی کے ساتھ سمویا جاتا ہے۔ ادیب کی شخصیت ،فکری کیفیت ،ذہنی رویے اور زندگی کی تمام صداقتوں کو اس کے ادبی شہ پارے میں دیکھا اورمحسوس کیا جا سکتا ہے ۔ ترجمہ ان تمام کیفیات کو پیش کرنے کا ذریعہ ہے۔ معیاری ترجمہ میں ادب کی گہرائی و گیرائی کو حتی الوسع ملحوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ پڑھنے والا نہ صرف اپنی بصیرت میں اضافہ کرے بلکہ شاعر یا ادیب کی شخصیت اورفن کی بلندی تک بھی پہنچ سکے۔

ترجموں کے ذریعہ مختلف زبانوں کے ادب کا باہمی تعارف اور اشتراک عمل میں آتا۔ایک زبان کا ادب جب دوسری زبان کے ادب سے متعارف ہوتا ہے تو نہ صرف اس سے عمومی استفادہ کرتا ہے بلکہ فکری اور فنی رول بھی انجام دیتا ہے۔ ترجمہ نے ادب کی تمام اصناف پر نمایاں اثرات چھوڑے ہیں اور ترجمے کی وجہ سے ادب میں کئی اصناف متعارف ہوئیں۔ مثال کے طور پر سنسکرت کی صنف ''رہس'' نے اردو میں ڈرامہ کا روپ دھارا اور داستان نے ناول کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی نیز داستان کے ضمنی قصوں نے افسانوں کی شکل اختیار کی۔ اس کے علاوہ مغربی ادب سے انشائیہ اور رپورتاژ اردو ادب کا حصہ بنے اور عربی زبان سے سفرناموں کی روایت اردو میں منتقل ہوئی۔ جہاں تک شاعری کا معاملہ ہے اردو شاعری نے فکری سطح پر عربی اور فارسی شاعری کے مقابلے میں انگریزی کے اثرات کم قبول کیے۔اصناف شعر میں انگریزی شاعری کی ایک صنف ''سانیٹ'' کو اردو میں سب سے پہلے اختر شیرانی نے متعارف کرایا۔عصرِ حاضر میں جاپانی صنف شعر ''ہائیکو'' کے اثرات بھی اردو شاعری پر جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔ جو کہ ترجموں ہی کے توسط سے آئے ہیں۔

جدید اردو نظم کے شعری سفر پر بھی انگریزی شاعری کے اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں جو انجمن پنجاب لاہور سے شروع ہوتا ہے۔ پہلی بار موضوعاتی طرز کی نظمیں محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی نے انگریزی نظموں سے متاثر ہوکر لکھیں۔ یہ حضرات انگریزی کی فطری شاعری سے بے حد متاثر تھے اور اس خیال کا اظہار ان دونوں نے مختلف مواقع پر کیا ہے کہ انگریزی کی طرح اردو میں بھی انسانی مسائل اور فطرت یا فطری عناصر اور مناظر فطرت پر نظمیں لکھی جائیں۔

## 2.9.2 ترجمہ اور تدریس

فنِ تدریس پر دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف تجربات کیے جا رہے ہیں اور ان تجربات کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے استفادے کے خاطر فراہم کرنا صرف ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔فن تدریس میں اساتذہ کی تربیت منصوبہ بندی اور نفاذ کا نظام ان کی مخصوص ضروریات کے تحت نصاب کی تدوین وغیرہ شامل ہیں۔ دورِ جدید نے تدریس کے فن کو نئے افق فراہم کیے ہیں اور روایتی طرز کی تدریس کے مقابلے میں آج کل فاصلاتی طرز ،مراسلاتی طرزِ تعلیم ،کھلا طرز تعلیم ،آن لائن طرزِ تعلیم کے علاوہ غیر رسمی طرزِ تعلیم وغیرہ شامل ہیں۔

مختلف جامعات اور تعلیمی اداروں کی جانب سے اس طرح کی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔آن لائن تعلیم کی سہولیت نے طلبا کو زبردست استفادہ کا موقع فراہم کیا ہے۔ترجموں سے استفادہ کے دائرہ کار کو کافی حد تک وسعت دی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر ابھی ماضی قریب میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے فاصلاتی طرزِ تعلیم سے بیچلر ایجوکیشن کے لیے اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی سے یادداشت مفاہمت طئے کی تھی۔ اس مفاہمت کے تحت اگنو کا تدریسی مواد جو انگریزی زبان میں تیار کیا گیا تھا اردو میں منتقل کیا گیا۔اس طرح کا معاملہ اساتذہ کی تربیت کے لیے علاقائی زبانوں میں مواد کی تیاری کے لیے بھی نہایت فائدہ مند ثابت ہوگا۔

## 2.9.3 ترجمہ اور پیشہ ورانہ تعلیم کے میدان

دورِ حاضر میں پیشہ ورانہ تعلیم نے نہایت اہمیت اختیار کر لی ہے۔ خصوصاً انجینئرنگ ،طب ،بزنس مینجمنٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے مختلف میدانوں میں زبردست ترقیوں نے روزگار کے بے شمار مواقع پیدا کر دیے ہیں۔ پیشہ ورانہ زیادہ تر انگریزی زبان یا ترقی یافتہ زبانوں میں دی جارہی تھی۔ جبکہ انسانی وسائل کا بڑا حصہ مختلف علاقائی زبانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ بی بی سی لندن کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ذہانت اور زبان کے درمیان تعلق نہیں ہوتا ہے۔ایسے میں اگر علاقائی زبان کے ذہین ترین انسانوں تک پیشہ ورانہ علوم وفنون کے مواد اور مواقع کو منتقل نہ کیا جائے تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ملک مسابقت کی راہ پر اپنے ان قیمتی انسانی وسائل سے محروم ہو جائے گا۔

## 2.9.4 علمی تراجم

علم کی کئی اقسام ہیں۔اس وسیع میدان کو درج ذیل علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ فطری یا قدرتی علوم جن میں طبعی اور حیاتیاتی علوم شامل ہیں۔

2۔ سماجی علوم جن میں سیاسیات، اقتصادیات، سماجیات، نفسیات، لسانیات، جغرافیہ وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے۔

3۔ انسانی علوم یا بشریات جن میں فلسفہ، تاریخ، فنونِ لطیفہ اور ادبیات شامل ہیں۔

ملک وقوم کی ترقی میں علوم وفنون کے تراجم کا غیر معمولی کردار رہتا ہے۔ دنیا بھر میں انسانی غور وفکر کائنات کے نظام

اور اس کے اطلاقی پہلو سے متعلق کچھ نہ کچھ نئی دریافتیں انجام دیتا رہتا ہے۔ قدرت کے سربستہ رازوں تک پہنچنے کے لیے علمی جدوجہد میں ایک ذریعہ ہے۔ اس جدوجہد کو غیر محدود کرنے کے لیے ترجمہ کے علاوہ کوئی اور موثر راستہ نہیں ہے۔ دنیا بھر میں آج ماہرین علم وفن جیسے جیسے اپنے اپنے شعبوں میں علم وآگہی کا اضافہ کر رہے ہیں، ترجمہ کی رفتار بھی تیز ہوتی جا رہی ہے۔ ترجمہ نے ہر عہد میں جدید افکار وخیالات اور نظریات کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچایا ہے۔ ایک زبان میں موجود سرمایہ علم کو دوسری زبانوں میں منتقل کر کے اس زبان کا جزو بنایا ہے۔ مختلف زبانوں کے افراد نے بھی اس اخذ واکتساب کے دروازے سے علوم وفنون پر مشتمل مواد کو حاصل کرنے میں عموماً کوتاہی نہیں کی ہے۔

علمی ترجمہ گو کہ غیر تخلیقی تراجم میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں نفس مضمون کے ابلاغ کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس قسم کا ترجمہ معلومات کی ترسیل میں بھی غیر معمولی کردار ادا کرتا ہے۔ علوم کے ترجمے کے لیے صرف زبانوں پر مہارت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس علم سے واقفیت بھی ضروری ہوتی ہے۔ علوم کے ترجمہ میں ادبی لطافت کے مقابلے جدید اصطلاحات کی تدوین بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جدید اصطلاحات کی کمی ترجمہ کی راہ کی رکاوٹ بنتی ہے۔

ماہرینِ تعلیم برسوں کی تحقیق کے بعد اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ علوم وفنون کے تمام شعبوں کو مادری زبان میں ہی بہ آسانی سمجھایا جاسکتا ہے۔ دیگر زبانوں میں علوم کی تعلیم کے سبب طلباء بے شمار دشواریوں اور ذہنی الجھنوں کا شکار رہتے ہیں۔ مضمون میں گہرائی وگیرائی کے لیے بھی مادری زبان میں تعلیم ضروری ہے جس کے بغیر ان سے کسی وقیع وعمیق تحقیقی کام کی توقع ممکن نہیں۔ جاپان کی ترقی کا راز ہی اس بات میں پوشیدہ ہے کہ ان ساری تعلیم جاپانی زبان میں ہوتی ہے۔ علوم وفنون کو اپنی زبان میں ترجموں کے ذریعے منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ترجمہ کی وجہ سے زبان کی قوت اظہار میں بھی نئے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً ابتدائی مراحل میں علوم کو ترجموں کے ذریعہ منتقل کیا جاتا ہے اور پھر یہ ترجمے علمی موضوعات پر تصانیف کے لیے ذہنی غذا مہیا کرتے ہیں۔ علوم کی تراجم سے عوام کے علم میں اضافے کے ساتھ ان کے اندر وسعت ذہنی اور کشادگی پیدا ہوگی۔

کسی زبان کی مفید اور کار آمد بنانے میں تراجم کا غیر معمولی کردار ہوتا ہے۔ ایک زبان کا سرمایۂ علم دوسری زبان کا حصہ بنتا ہے۔ دورِ جدید کی ترقیات اور مختلف میدانوں میں انجام پا رہی تحقیقات کو اگر اردو زبان میں بروقت منتقل نہیں کیا گیا تو اردو عالمی مسابقت میں پیچھے رہ جائے گی۔ علوم وفنون کے مواد کی آمد کے ساتھ ہی اردو اور ملک کی دیگر زبانوں میں اس کے تراجم وقت کی اہم ترین ضرورت ہیں۔ تاکہ قوم کے طلباء کو ان مادری زبانوں میں تازہ ترین معلومات فراہم ہوسکیں۔ آج یورپ اور امریکہ بے پناہ علمی ترقی کے باوجود دوسری زبانوں کی ترقیات اور تجربات کو اپنی زبانوں میں تیز رفتاری کے ساتھ منتقل کر رہے ہیں۔ اور اس لیے ان کے پاس ایک منظّم پروگرام موجود ہے۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ دنیا کی کوئی بھی قوم اس وقت تک اقوام عالم میں بلند مقام نہیں پاسکتی جب تک کہ وہ دیگر اقوام کے علمی وفنی کارناموں کو اپنی زبان میں منتقل نہ کر لے۔

### 2.9.5 ترجمہ اور صحافت

صحافت کی اصطلاح الکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ واقعات کو معروضی طور سے اپنے اخلاقی، سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی نظریہ کی آمیزش کے بغیر، اپنے طبقاتی مفاد یا اخبار و چینل کے مالکانہ مفادات کا لحاظ کئے بغیر قاری اور ناظرین کی اطلاع کے لیے لکھ کر ادارتی شعبے کو بھیج دینا صحافت کا عمل ہے۔ اخبارات میں اداریہ ہوتے ہیں، شذرے ہوتے ہیں، کالم ہوتے ہیں، مضامین ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ مختلف النوع خبریں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ٹی وی میں بھی مختلف چینل ہمہ رخی انداز میں صحافتی پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ کا اس سے کیا تعلق ہے؟ اور اگر ہے بھی تو صحافتی ترجمہ کی کیا خصوصیت ہے۔ ترجمہ کا صحافت سے تعلق ایسا ہی ہے جیسے کسی گاڑی کا پٹرول سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صحافت خبروں اور معلومات کے بغیر ادھوری ہے اور خبریں اور معلومات ترجمے کے بغیر مختلف زبانوں میں منتقل نہیں کئے جاسکتے۔ عام تراجم، ادبی تراجم، مذہبی تراجم اور صحافتی ترجموں کے درمیان زبردست فرق ہوتا ہے۔ مذہبی صحیفے کا ترجمہ اس طرح نہیں ہوگا جیسے عمر خیام کی رباعی کا ترجمہ ہوتا ہے۔ اور پارلیمنٹ کے پاس کیے ہوئے کسی قانون کا ترجمہ اس طرح نہیں ہوگا جس طرح کسی سیاسی لیڈر کے بیان کا۔

دنیا کی زیادہ تر خبریں اس وقت مغربی زبانوں بلکہ خصوصاً انگریزی زبان میں بڑی بڑی ایجنسیوں کی جانب سے جمع کی جاتی ہیں اور ان کی ترسیل مختلف اخبارات، رسائل اور ٹی وی چینل تک کی جاتی ہے۔ ان خبروں کو جب تک مطلوبہ زبان میں ترجمہ نہ کیا جائے قارئین اور ناظرین تک ان کا پہنچنا ناممکن ہے۔ مخصوص مسائل پر ماہرین کی تحریریں، انٹرویو، خصوصی ملاقات اور نقد و نظر بھی معیاری اور وقیع انداز میں انگریزی زبان کے وسائل ہی میں عموماً دستیاب ہیں۔ ان کو دیگر زبانوں کے بولنے والوں تک پہنچانے میں بھی ترجمہ ہی مدد و معاون ہوتا ہے۔ صحافت میں ترجمے کے فن کو موثر انداز سے اگر استعمال نہ کیا جائے تو مطلوبہ مقاصد پوری طرح سے حاصل نہیں ہوسکتے۔

اردو صحافت میں ترجموں کی روایت بہت پرانی ہے لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے۔ اردو کے صحافیوں کی تربیت نہ ہونے کے باوجود تمام ورنا کیولر زبانوں، بشمول اردو صحافت کو ترجمے پر ہی انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ علاقائی زبانوں کی صحافت کی کامیابی کا انحصار ترجمہ ہی میں ہے۔ اسی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر فن ترجمہ اور مترجمین کو اہمیت دی جارہی ہیں۔ یو این آئی کی اردو سروس میں بیش تر لوگ مترجمین کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں جو یو این آئی کی انگریزی سروس سے خبروں کا ترجمہ کر کے مختلف اردو اخبارات کو فراہم کرتے ہیں۔

ترجمے سے صحافت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ اس کے ذریعہ مختلف زبانوں میں متنوع قسم کے مواد دستیاب ہو رہے ہیں۔ صحافت سے وابستہ افراد انگریزی زبان سے مناسب مواد کا ترجمہ کر کے اسے اپنے قارئین اور ناظرین کے لیے ان کی پسند کے مطابق فراہم کرتے ہیں۔ اردو صحافت میں ترجمہ کے ذریعہ زبان میں وسعت آئی۔ چونکہ صحافت کی زبان آسان، پیش کش، دلکش اور انداز بیان سلیس ہوتا ہے اسی لیے صحافتی تراجم میں لفظیات اور اصطلاحات کی منتقلی بھی آسان

ہوتی ہے۔ متنوع قسم کے موضوع ومواد کا اردو صحافت میں جب ترجمہ ہوتا ہے تو وہ اپنے ساتھ مختلف انداز بیان اور اسالیب کو اردو صحافت میں منتقل کر دیتے ہیں۔ صحافت میں مواد کی پیشکش کی تکنیک بھی اہم ہے اور صحافتی ترجمہ میں پیشکش کی تکنیک کا شعوری یا لاشعوری طور پر ضرور اثر ہوتا ہے اور اس طرح ترجمہ کی زبان اور اس کی زبان کی صحافت بھی تکنیکی طور پر متمول ہوتی ہے۔

صحافت میں ترجمے کے ذریعے اشتہارات کی بھی منتقلی ہوتی ہے۔ اس طرح ایک زبان اور اس سے وابستہ صحافت نہ صرف معاشی طور پر مستحکم ہوتی ہے بلکہ صوبائی اور مرکزی حکومتوں کی متعدد اسکیموں اور پالیسیوں کی منتقلی سے اس زبان کے افراد آگاہ اور مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح صحافتی ترجمہ کسی زبان کو کھلی فضا فراہم کرتے ہیں اور ترقی کے مزید امکانات روشن کرتے ہیں۔ ترجمے سے صحافتی دنیا میں براہ راست تحریری اور تخلیقی عمل کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ اس طرح معیاری صحافتی تراجم سے صحافت کی دنیا بحیثیت مجموعی آراستہ اور متمول ہوتی ہے۔

### 2.9.6 دفتری اور قانونی تراجم

قانونی اصطلاحات اور دفتری الفاظ حکومتوں کا ایک حصہ رہے ہیں۔ مسلمان جب فاتح کی حیثیت سے ہندوستان آئے تو وہ جو قانونی اور انتظامی اصطلاحیں ساتھ لائے تھے وہ فارسی، عربی، ترکی زبانوں سے لی گئی تھیں۔ خود ہندوستان میں مقامی زبانوں میں انتظامیہ کی اصطلاحیں موجود تھیں۔ مسلمانوں نے ان اصطلاحوں کا بھی فراخ دلی سے استعمال کیا۔ آٹھویں صدی سے سولہویں صدی تک مسلمانوں کی حکومت میں انتظامی ڈھانچے اور قانون کی صورتیں الگ الگ رہی ہیں۔ ہندوستان میں غوری، ترک، خلجی، پٹھان، لودھی اور مغل حکومتوں کی انتظامی اور قانونی اصطلاحیں ہندوستان کے انتظامیہ میں استعمال ہوتی رہیں۔ برطانوی حکومت کے زمانے میں ان میں انگریزی اصطلاحیں بھی بڑی تعداد میں شامل ہوگئیں۔

ہر ملک میں انتظامیہ اور عدلیہ کا نظام موجود رہتا ہے۔ بلکہ بعض ممالک میں تو یہ نظام مختلف ریاستوں کے اندر الگ سے اپنا وجود رکھتا ہے۔ بطور خاص ہمہ لسانی ممالک مثلاً ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ وغیرہ اور عموماً تمام ہی ممالک میں مخصوص دفتری یا انتظامی امور سے وابستہ الفاظ واصطلاحات اور قانونی اصطلاحات کا مختلف زبانوں میں منتقل ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر نظام عدلیہ اور انتظامی امور کو چلانا ممکن نہیں ہوگا۔

### 2.9.7 ترجمہ اور مذہب

مذہب کے فروغ اور پھیلاؤ میں ترجمہ بنیادی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ دورِ قدیم سے ترجمہ نے مختلف تہذیبوں کو قریب لانے اور ان میں سماجی و مذہبی قدروں کی ادلا بدلی کرنے میں معاونت کی ہے۔ مثال کے طور پر دور قدیم میں بدھ مت کے پیروکاروں نے اپنے صحائف کے کچھ حصوں کا چینی زبان میں ترجمہ کیا۔ ہندومت کی مذہبی کتابوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔ وید، مہابھارت، بھگوت گیتا، رامائن سبھی مذہبی کتابوں کے ترجمے آج ہمیں ملتے ہیں۔ ہندومت کی ان

مقدس کتابوں کے علاوہ ہندو مذہب کا دیگر لٹریچر بھی ترجمہ ہوا یہاں تک کہ سوامی ویکانند کی کتاب ''بھگتی اور ویدانت'' کا ترجمہ اردو میں شانتی نارائن نے کیا اسی طرح کبیر، پنتھی ،بھگتی ، برہموسماج ، دیوسماج ، ویدسماج کے ترجمے بھی اردو میں ملتے ہیں ۔سکھ مذہب کے بانی گرونانک دیو کے عارفانہ کلام کا ترجمہ اردو میں ملتا ہے ۔کہا جاتا ہے کہ کسی مقدس کتاب کے اگر اندر سب سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں تو وہ عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل ہے ۔دنیا میں 6,500 زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں انجیل کا ترجمہ 2355 زبانوں میں ہوا ہے ۔انجیل کے بعد مذہبی تراجم قرآن مجید کے تراجم بھی دنیا کے مختلف زبانوں میں ملتے ہیں ۔قرآن مجید کا سب سے پہلا اردو ترجمہ شاہ ولی اللہ اوران کے بعد شاہ ولی اللہ اوران کے بعد ان کے فرزند شاہ رفیع الدین نے کیا تھا۔

ترجمہ مذہبی سرمایہ کو ایک تہذیب سے دوسری تہذیب میں منتقل کرتا ہے ۔جیسے جیسے زمانہ گزرتا ہے نئی تہذیبیں جنم لیتی ہیں اور پرانی تہذیبیں ختم ہو جاتی ہیں ۔اگر انجیل کا ترجمہ عبرانی اور آرامی زبان سے یونانی اور لاطینی زبان میں نہ کیا جاتا تو شاید ہم انجیل سے ناواقف ہوتے ۔قرآن کے ترجمے بھی مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں فہم کی ترسیل کا کام انجام دیتے ہیں ۔زبانیں ارتقائی مراحل سے گذرتی ہیں اس لیے ترجموں کا کام بھی مسلسل اور متواتر ہونا چاہیے ۔مذہبی ترجموں میں زیادہ ترتبلیغ کا مذہب کا جذبہ غالب رہا ہے ۔اس کے علاوہ انسانیت کی بھلائی اور نیکی کے فروغ کے لیے بھی ترجمے کو استعمال کیا گیا ہے ۔

## 2.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے ترجمے کی اہمیت اور اس کے استعمال سے متعلق مختلف پہلوؤں سے واقفیت حاصل کی ۔'ترجمہ' عالم ادب کی مروجہ اور معروف اصطلاح ہے ۔ ہر دور میں انسان نے اس فن سے خوب فائدہ اٹھایا ہے ۔

دنیائے علم وادب میں ترسیل علم اور تسلسل کے لیے ہمیشہ ترجمہ ایک اہم ترین کڑی رہا ہے ۔

عالمِ انسانی میں ترجمہ کی روایت قدیم ہے ۔

انسانوں نے ابتدائی دور میں آپسی رابطہ کے لیے اور اپنے خیالات اور احساسات کے اظہار کے لیے جسمانی یا صوتی اشارات اور حرکات وسکنات کو استعمال کیا ۔یہ اشارات اس کے ابتدائی فہم کی بنیاد ہیں ۔

الفاظ کے استعمال نے انسانی روابط اور خیالات کی ترسیل کے نظام کو مستحکم کر دیا ۔پھر نت نئے الفاظ کی ایجاد اور غور و فکر کے مستقل جاری عمل نے گویا الفاظ کو انسانی خیالات کا مجسم اور پیکر بنا دیا ۔

ترجمہ نے دورِ حاضر میں اپنی اہمیت کو اپنے طویل تاریخی سفر اور سرمایۂ علم وادب میں زبردست اضافوں کے ذریعہ اپنی اہمیت منوالی ہے ۔علم وادب کی دنیا میں اگر اصل یا طبع زاد کی اہمیت ہے تو وہیں علمی جواہر کی توسیع واشاعت میں ترجمہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔اور کسی بھی دور میں ترجمہ سے اہل علم نے بالکلیہ صرف نظر نہیں کیا ہے ۔

اولاً ترجمہ کے ذریعہ زبان کئی اعتبار سے پھلتی پھولتی ہے ۔

ثانیاً ترجمے کے عمل میں ایک طرف تو نئے الفاظ اور استعارے جنم لیتے ہیں تو دوسری طرف قدیم الفاظ میں حیات آفرینی کی کیفیات پیدا ہوتی ہے۔

ثالثاً ترجمہ عملی سطح پر دو زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔

آج بھی دور جدید کی بڑی طاقتیں دنیا بھر کے علوم وفنون اور ادبیات کے ترجموں کے لیے اپنا ایک وسیع اور مضبوط نظام رکھتی ہیں۔اس طرح سرکاری،تعلیمی،علمی اور ادبی امور کے لیے دنیا بھر کی زبانوں سے اردو میں تراجم کیے جائیں۔ تاکہ ایک تو اردو کے علمی اور ادبی سرمایہ میں اضافہ ہو سکے،دوسرے دفتری عدالتی اور سرکاری امور کو جلد از جلد اردو میں انجام دیا جاسکے۔انسانی زندگی کے مختلف ادوار اور انسانی تہذیب کی ترقی میں ترجمہ نے زبردست کردار ادا کیا ہے۔ترجمہ ہر دور میں خود ایک تہذیبی وجود کا حامل رہا ہے اور اس کو واسطہ بناتے ہوئے مختلف تہذیبوں نے آپس میں مختلف تہذیبی عناصر کا تبادلہ کیا ہے۔دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ادبیاتِ عالم میں تاریخی ادوار اور انسانی تمدن کی شناخت و بازیافت کا واحد ذریعہ ترجمہ ہی رہا ہے۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کا سرمایۂ علم وادب اور ان کی تہذیبی روایات ایک دور سے دوسرے دور میں ترجموں کے ذریعہ ہی سے منتقل ہوتی رہی ہیں۔ 1948ء میں جب پرتگالی جہاز واسکوڈی گاما کی قیادت میں مالا بار کے ساحلی علاقے پر لنگر انداز ہوتے تو اس کے بعد کالی کٹ بندرگاہ پر مختلف مغربی اقوام کا جمگھٹا رہنے لگا۔ ہندستان میں مغربی زبانوں کے تراجم کی ابتداء کا یہی زمانہ ہے۔شاہ ولی اللہؒ نے نہایت سخت اور بند مذہبی ماحول میں حوصلے کے ساتھ قرآن وحدیث کے ترجمے کی بنیاد رکھی۔ بعد میں اسی بنیاد پر شاہ رفیع الدینؒ نے لفظی اور شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ اردو ترجمہ کی روایت قائم کی۔ترجمے کی اہمیت کو ہندوستان کے مخصوص ہمہ لسانی ماحول میں ہر حملہ آور اور حکمراں نے محسوس کیا۔خصوصاً ظہیرالدین بابر(1522ء) سے بہادر شاہ ظفر(1857ء) تک مغلوں نے 331 برس حکومت کی۔اس دور کو ترجمہ کا ایک اور اہم نمائندہ دور کہا جا سکتا ہے۔صوفیائے کرام نے ہندوستان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ اور برے کاموں سے روکنے کے جذبے کے تحت قدم رکھا تھا اور اسی بنیاد پر انہوں نے اردو زبان کی نشو ونما اور ترجمے کے کاموں کا آغاز کیا تھا۔علم وادب کا دامن بڑی وسعت کا حامل ہے۔ انسانوں نے دنیا کے مختلف خطوں، جغرافیائی علاقوں اور ممالک میں پھیل کر علم وفن کی روشنی سے انہیں منور کیا ہے۔علم کی وسعت اور سائنسی ایجادات اور دریافتوں کی روزمرہ ترقیاں ترجمہ کے بغیر محدود ہوکر رہ جاتیں۔غرض ادب،فلسفہ،سائنس اور مذہبی اعتقادات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو ترجمہ کی دولت سے محروم رہا ہو۔دورِ حاضر میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی سے ترجمہ کے میدان میں نئے افق نمودار ہونے لگے ہیں۔مشینی ترجمے نے دنیا کی تمام اقوام کو یہ موقع فراہم کردیا ہے کہ وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ خود کو ترقی کی موجودہ رفتار کے ساتھ ہم آہنگ کرسکیں۔

## 2.11 فرہنگ

| | | |
|---|---|---|
| طبع زاد | : | ایجاد کردہ،جو کسی سے لیا نہ گیا ہو |

| | | |
|---|---|---|
| عمیق | : | گہرا |
| انکشافات | : | منکشف، کھلا ہوا، جو پوشیدہ نہ ہو |
| حرکات وسکنات | : | Body Language |
| فی البدیہہ | : | برمحل، بے سوچے سمجھے، فوراً |
| آراستہ | : | سجانا، مزین کرنا، آرائش |
| کشیدگی | : | کھینچاؤ، ملال |
| ترویج | : | رواج دینا |
| فاتح | : | جس نے فتح کیا ہو |
| بصیرت | : | باطن کی نگاہ |
| جستہ جستہ | : | کم کم، تھوڑا تھوڑا، کہیں کہیں |
| متنوع | : | مختلف قسم کے، مختلف نوع |
| منور | : | روشن کرنا، سامنے لانا |

## 2.12 نمونہ امتحانی سوالات

### معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ اکثر مغربی ماہرین کے مطابق ترجمہ کس کی ایجاد ہے؟

2۔ عملی دنیا میں ترجمہ سے استفادہ کا دوسرا بڑا دور کون سا تھا؟

3۔ ترجمہ کا تیسرا عظیم دور کون سا تھا؟

4۔ ترجمہ کو 'Absurd' اور 'Impossible' کس نے کہا تھا؟

5۔ ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمے کی بنیاد کس نے رکھی؟

6۔ دنیا کی زیادہ تر خبریں کس زبان میں جمع کی جاتی ہیں؟

7۔ قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ کس نے کیا؟

8۔ مقدس کتابوں میں سب سے زیادہ ترجمے کس کتاب کے ہوئے ہیں؟

9۔ موجودہ دور میں کس چیز نے ترجمہ کی رفتار میں اضافہ کیا ہے؟

10۔ محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی موضوعاتی نظمیں کس چیز سے متاثر ہو کر لکھی گئیں؟

### مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ موجودہ دور میں اردو میں ترجمے کی ضرورت پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ مختلف ادوار میں ترجمے کی کیا اہمیت رہی ہے؟

3۔ علمی تراجم سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

### طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ ترجمہ کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ ہندوستان کے پس منظر میں ترجمے کی ضرورت پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

3۔ صحافت کے نقطۂ نظر سے ترجمہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالیے۔

---

## 2.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد


1۔ ترجمہ کا فن اور روایت — پروفیسر قمر رئیس

2۔ فن ترجمہ نگاری — ڈاکٹر خلیق انجم

3۔ ترجمہ نگاری وابلاغیات — ایم اے اردو پرچہ ششم، نظامت فاصلاتی تعلیم، MANNU، حیدرآباد

4۔ مغرب سے نثری تراجم — مرزا حامد بیگ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان

5. The translation studies Reader, Edited by Lawrence Venuti, Routledge, N, York, London

6. Introducing Translation Studies - Theories and Applications by Jeremy Munday, Routledge, New York, London

# اکائی 3۔ ترجمہ کے اصول اور تکنیک

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 ترجمہ کیا ہے؟

3.3 تھیوڈر کے تالیف کردہ اصول

3.4 لفظ، محاورہ، عبارت اور اسلوب کا ترجمہ

3.5 اصول اصطلاح سازی

3.6 مترجم کے بنیادی فرائض

3.7 ترجمہ کے تین اہم میدان

3.8 اکتسابی نتائج

3.9 فرہنگ

3.10 نمونہ امتحانی سوالات

3.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 3.0 تمہید

ترجمے کا فن اتنا قدیم ہے جتنا کہ انسان کی سماجی زندگی۔ جب انسان نے ایک سماجی گروہ کے طور پر رہنا شروع کیا تو اسے اپنے آس پاس کے رہنے والوں سے سماجی رشتے قائم کرنے کی ضرورت پڑی۔ سماجی گروہوں میں سماجی اور علاقائی دوریوں کے باعث ان گروہوں کی زبانیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی تھیں یا پھر ان میں اتنا فرق ہوتا تھا کہ ایک گروہ کا آدمی دوسرے گروہ کے لوگوں کی زبان پوری طرح نہ سمجھ پاتا تھا۔ انسان متنوع خواہشات کا مجسمہ ہے۔ یہی خواہشات ضروریات میں بدلتی ہیں اور ضروریات مختلف قوموں اور لسانی گروہوں میں لین دین کے عمل کو جنم دیتی ہیں اور مختلف لسانی گروہوں میں لین دین کی خواہش اور ضرورت کی باقاعدہ تکمیل کے لیے ترجمہ کا فن اور اصول جنم لیتے ہیں۔

ترجمے کے ذریعے اس لین دین کے فن میں باقاعدگی لانے کے لیے اصول وضوابط بنائے جاتے ہیں تاہم ابھی تک مبسوط اور قبول عام اصول مرتب نہیں کیے گئے ہیں۔ اس اکائی میں ترجمے کے انہیں بنیادی اصول ونظریات سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

ترجمے کے بغیر دنیا کے بیشتر کام نہیں چل سکتے۔ قدیم زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک دنیا میں ہونے والی علمی، فنی، سائنسی اور تکنیکی معلومات ہمیں ترجموں کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں فنی اور تکنیکی دریافتیں، انکشافات اور معلومات بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور یہ دریافتیں اور معلومات ہر ملک کے لیے ضروری ہیں۔ یہ مقصد صرف ترجمے کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔

دنیا کی تمام ترترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ علمی آگاہی، نئی نئی دریافتوں اور عالمی بصیرتوں کو بڑے پیمانے پر کم سے کم وقت میں حاصل کریں کیونکہ یہ ان کی موت اور زندگی کا سوال ہوتا ہے۔

## 3.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے آپ اس قابل ہوں گے کہ آپ:

- ☆ اصطلاح سازی کے اصولوں پر روشنی ڈال سکیں۔
- ☆ مترجم کے بنیادی فرائض کو سمجھ سکیں۔
- ☆ لفظ اور عبارت کے ترجمے کی باریکیوں کو سمجھ سکیں۔
- ☆ تھیوڈرساوری کے تالیف کردہ اصولوں کو سمجھ سکیں۔

## 3.2 ترجمہ کیا ہے؟

ترجمہ یعنی ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ''پار لے جانا''۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی خاص مترجم کسی کو پار اتارتا بھی ہے کہ نہیں، یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ عربی زبان سے آیا ہے۔ اہل لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں۔ ایک سے دوسری زبان میں نقل کلام، تفسیر وتعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کے احوال کا بیان۔ اور یہ سب معانی باہم مربوط ہیں۔ ترجمہ ایک ایسا پیچیدہ اور مشکل عمل ہے جس کے ذریعے کسی تصنیف کو اس کے جملہ خصوصیت کے ساتھ اصل زبان سے کسی دوسری زبان میں کچھ اس طرح منتقل کیا جائے جس کے باوصف ترجمے کی زبان میں اصل تصنیف دوبارہ اپنی پرانی شکل میں زندہ وجاوید ہو جائے۔

ترجمہ وہ دریچہ ہے جس سے دوسری قوموں کے احوال ہم پر کھلتے ہیں لیکن جدید عہد میں یہ ایک ضرورت بھی ہے، جس کے بغیر ہم عالمی سطح کی علمی وادبی سرگرمیوں میں شریک نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اپنی قومی زبان کی اہمیت کو برقرار رکھنے، اسے

گلوبل علم سے واقف کرانے اور جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ دینے کے لیے ترجمہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔

ترجمہ کے ذریعے صرف زبان کی سطح پر ہی انسانی علوم میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ذہنی کشادگی کے ذریعے بعض اوقات معاشرے کے بنیادی مزاج اور رہن سہن میں بھی ایک تغیر پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ترجمے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمام انسانی علوم اور دریافتیں اس میں شامل ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے علم یا دریافت کسی قوم کی میراث نہیں ہوتی بلکہ پوری نسلِ انسانی اس سے استفادہ کرتی ہے تو دراصل اس کا وسیلہ ترجمہ ہی ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے قومی عالمی تناظر میں نہ صرف ایک دوسرے کے جذبات واحساسات میں شریک ہوتی ہیں بلکہ دوسرے کے علمی اور تحقیقی کاموں سے بھی فیض حاصل کرتی ہیں۔

ترجمہ ایک نہایت مشقت طلب کام ہے اور جو طبیعتیں اس کے برخلاف تعصب اور مزاحمت سے کام لیتی ہیں، درحقیقت محنت سے جان چراتی ہیں۔ ترجمہ ایک فن ہے اور جملہ فنون کی طرح اس فن میں بھی کمال اور بے کمالی کے ہزاروں مدارج موجود ہیں۔ ترجمے کی بہت سی اقسام ہیں اور یہ کام بازار سے لے کر اقوام متحدہ تک اخبار سے لے کر وی۔ سی۔ آر تک کسی نہ شکل میں چلتا ہی ہے۔ عام زندگی میں بھی ترجمہ کا معیار قدرے بہتر ہوسکتا ہے۔ اگر اس کو فن کے طور پر سہی، ایک روز مرہ ہنر کی طرح سے ہی سیکھنے سکھانے کا ماحول پیدا کیا جا سکے۔ نیز فن ترجمہ جملہ فنون کی طرح لا متناہی، عمل پیہم اور ریاض کا متقاضی ہے اور جس قدر لگن محنت کے ساتھ مترجم، ترجمہ کرتا جائے گا اس کے فن میں نکھار آتا جائے گا۔ فن کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ یہ محض تعلیم وتعلم سے نہیں آتا، اگر چہ اس میں بھی ایک عنصر ہنر کا ضرور ہوتا ہے جو ماہرانہ تربیت سے نکھر سکتا ہے۔ لیکن ترجمے کا ہنر اس لحاظ سے خاصا پیچیدہ ہے اس میں دہری تہری صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ متن کی زبان اور اپنی زبان پر تو خیر عبور ہونا چاہیے، اس موضوع سے بھی طبعی مناسبت درکار ہے جو متن میں موجود ہے۔

علمی اور تکنیکی ترجمہ کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ان کی تاریخ، طرز فکر اور طریقۂ کار کو بھی اپنی زبان میں منتقل کرنا چاہیے کیونکہ اس سے معاشرے میں عمومی آگہی اور ذہنی میلان پیدا ہوگا جبکہ اجتماعی سطح پر کوئی علمی سر چشمہ وجود میں نہیں آتا، تب تک ٹکنالوجی کے خریدار، خریدار ہی رہتے ہیں۔ اس کے تولید کار نہیں بن سکتے۔ اس لیے اشد ضروری ہے کہ طرز فکر اور طریقۂ کار کی منتقلی کو بھی ترجمے کے ذریعے یقینی بنایا جائے۔

ترجمے کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک تو مشینی ترجمہ ہے اور دوسرا تخلیقی ترجمہ۔ مشینی ترجمے کا مقصد ہے انسانی زبانوں میں باہمی ترجمے کے عمل کو کمپیوٹر کی مدد سے آسان بنانا، تاکہ تعلیمی، تکنیکی، معلوماتی مواد کم سے کم وقت میں تیار ہو سکے۔ تقریباً نصف صدی پہلے جو ایک ''خود کار مترجم'' تیار کرنے کے لیے ابتدائی تحقیق شروع ہوئی تھی، تو یہ توقع پورے جوش وخروش کے ساتھ کی گئی تھی کہ جلد ہی ایک ایسا آلہ ایجاد ہو جائے گا جس کے ایک طرف زیراکس مشین کی طرح کسی زبان کے متن کو داخل کیا جائے تو دوسری طرف سے مطلوبہ زبان کا ترجمہ کھٹ سے باہر نکل آئے گا۔ اس دوران میں جدید زبان شناسی کے ماہرین نے مختلف زبانوں کے اجزائے ترکیبی کا تقابلی مطالعہ کر کے واضح کر دیا ہے کہ مشینی ترجمہ بھی آسان کام نہیں۔ چنانچہ اب یہ طے ہو چکا ہے کہ کمپیوٹر میں لسانیاتی پروگرام بھرنے کے بعد بھی لسانی ماہرین، مترجمین اور ترجمہ کے مدیروں کی ضرورت برقرار

رہے گی ۔نتیجتاً مشینی ترجمے کے باعث خدشہ ہے کہ مترجمین اور ترجمے کے مدیروں کی قلت مزید بڑھے گی ۔

وقت اور سرمائے کی بچت شاید پھر بھی نہ ہو سکے ۔تاہم دنیا کے کئی ملکوں میں مزید تحقیق جاری ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ پوری طرح خودکار نہ سہی مشینی ترجمہ کسی قدر آسان ضرور ہو جائے گا۔ تاہم اس کا دائرہ کار ایسی زبان تک محدود رہے جس میں زبان کی تہہ درتہہ معنویت کے ساتھ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ان تمام کے باوجود مدیر کی ضرورت پڑے گی اور جب تک مدیر خود اچھا مترجم نہ ہو یا نہ رہا ہو تب تک ترجمے کا اچھا مدیر نہیں بن سکتا۔مشینی ترجمے کی روایت کے عام ہونے کی صورت میں مترجمین کی کمی کا احساس مزید ہوگا نتیجتاً مدیروں کی بھی قلت ہوگئی تو ایسی صورت میں مشینی ترجمے کی تصحیح کون کرے گا ؟

اس کے برعکس تخلیقی ترجمہ تو ہوتا ہی ایسی تخلیقات کا ہے، جو تہہ درتہہ معنویت کی حامل ہوں اور یہ ترجمے کی سب سے مشکل قسم ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ مختلف زبانوں میں ایسی لفظ بہ لفظ مماثلت نہیں ملتی جو بامعنی ہو اور درست بھی ،تاہم تخلیقی ترجمے کرنے والوں نے ایسی مماثلتیں دریافت کی ہیں، جہاں نہیں تھی۔ انھوں نے اپنے تخیل سے پیدا کر کے دکھایا ہے، چنانچہ ترجمے کی یہ قسم کی آزادی اور پابندی کے درمیان ایک جدلیاتی کشمکش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب یہ تضاد اعلیٰ سطح پر موزوں ومتناسب موافقت اور مطابقت کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو فنِ ترجمہ کو معراج نصیب ہوتی ہے ۔

تخلیقی ترجمے سے ایک دوسری ادبی اور تخلیقی تحریروں کے تراجم ہیں اور ان ہی پر سب سے زیادہ اختلافی باتیں ہوتی ہیں، کیوں کہ سائنسی موضوعات کا ترجمہ کرتے ہوئے اصطلاحوں پر تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مفہوم کی ترسیل میں فرق نہیں ہوتا لیکن ادبی ترجموں میں اصل جھگڑا اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب یہ اعتراض کیا جائے کہ لکھنے والے کا اصل مفہوم یا تحریر کا مزاج تو ترجمے میں آیا ہی نہیں ۔ پھر اصناف کی باریک بینیاں بھی اکثر ترجمے میں حائل ہو جاتی ہیں ۔مثال کے طور پر نظم کے برعکس غزل کا ترجمہ کہیں مشکل ہے، کیونکہ کہ غزل کے خیال کو تو آسانی سے دوسری زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے مزاجی کیفیت اور ہیئتی دبازت کا ترجمہ آسان نہیں ۔

ہر زبان وادب کا ارتقا کسی مخصوص سماجی اور تہذیبی پس منظر میں ہوتا ہے ۔لہٰذا ہر تخلیقی فن پارے کا اپنا ایک تہذیبی سانچہ ہوتا ہے ۔ اسی لیے ترجمہ کا تعلق تہذیبی سانچے سے ہوتا ہے ۔ دراصل ترجمے کا فن انسانیت کی تاریخ میں ایک بین الاقوامی نقطہ نظر کی پیداوار بھی ہے اور ایک بین الاقوامی اندازِ نظر پیدا کرنے کا وسیلہ بھی ۔ یہ دو تہذیبوں اور دو زبانوں کے درمیان اتحاد کا ایک عمل ہے اور یہ اتحاد یک طرفہ نہیں ہو سکتا۔ مزید اہم بات یہ ہے کہ زبان کی سرحدوں کو پار کر کے باہم مفاہمت کی فضا پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ ترجمے کی عربی تعریف کے مطابق ترجمہ ' نقل کلام' کو کہتے ہیں ۔نقل مطالب یا نقل معانی کو نہیں کہتے اور نقل کلام کا تقاضا یہی ہے کہ جس زبان میں نقل ہو جائے اس میں تقریباً ویسا ہی اثر پیدا ہو جیسا کہ اصل زبان میں پیدا ہوا تھا اور یہ بھی لازمی ہے کہ کلام سے مکالمے کی صورت پیدا ہو ورنہ ترجمہ کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا ۔

## 3.3 تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصول

تھیوڈر ساوری نے ''آزاد اور لفظی ترجمہ'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا جسے آصفہ جمیل نے اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔

اس ردو ترجمہ کو پروفیسر قمر رئیس نے اپنی کتاب ''ترجمہ کا فن اور روایت'' میں شامل کیا۔تھیوروڈ کا کہنا ہے کہ ترجمہ کرنے والوں کو ہمیشہ ترجمے کے فن کے بارے میں ہر ممکن معلومات حاصل کرنی چاہیے۔مترجم کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہر فن میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک تو وہ جو آپ کو ہدایت دیتے ہیں اور دوسرے وہ جو آپ کی اصلاح کرتے ہیں اور تیسرے قسم کے وہ لوگ ہیں جو خود کو بہتر ثابت کرنے کے لیے بغیر کچھ جانے آپ پر تنقید اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔ان تینوں میں سب سے اہم وہ لوگ ہیں جو آپ کو ہدایت دیتے ہیں۔کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے متعلقہ فن کے بارے میں ممکنہ معلومات حاصل کی ہیں اور ان کی دلیلوں کی بنیاد اصولوں اور نظریات پر ہوتی ہے۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمہ کے اصول کیا ہونے چاہئیں۔ ترجمہ کے اصول مختصر طور پر بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور اگر ہم چاہیں کہ ترجمہ کے اصولوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کریں تو یہ کام بہت مشکل ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں ترجمے کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے لیکن ترجمہ کے ایسے اصول ابھی تک وضع نہیں کیے گئے ہیں جنہیں دنیا کے تمام مترجمین تسلیم کرتے ہو۔تمام فنون میں ایسے ماہرین کی تعداد خاصی ہوتی ہے جو متعلقہ فن کے اصول اور نظریات مرتب کرتے ہیں لیکن یہ ترجمہ کے فن کی بدنصیبی ہے کہ اس کے لیے با قاعدہ اصول ابھی تک مرتب نہیں کیے گئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ترجمہ کے فن کو ایسے لوگ نہیں ملے جو باقاعدہ اصول مرتب کرتے ہیں۔جن لوگوں نے ترجمہ کے تھوڑے بہت اصول بنائے ہیں یا جن لوگوں کو ترجمے کا عملی تجربہ ہوتا ہے ان کا آپس میں بہت اختلاف ہے۔ایسا اکثر ہوا کہ کسی مشہور مترجم نے روانی میں ترجمے کا کوئی اصول وضع کر دیا۔بعض مترجم اسے تسلیم کرتے ہیں اور بعض اس سے اختلاف۔مختلف مترجموں کے بیانات کا اگر ہم جائزہ لیں تو انھوں نے جو اصول مرتب کیے ہیں ان میں اختلاف ہیں کہ کوئی مترجم جب ان اصولوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس اصول کو مانے یا کس اصول کو نہ مانے۔

تھیوروڈ نے ترجمہ نگاری کے درج ذیل مختلف اصول ونظریات کی فہرست دی ہے۔

1۔ ترجمہ میں اصول متن کے الفاظ کا ترجمہ ہونا چاہیے۔
2۔ ترجمہ اصل متن کے معانی ومفاہیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔
3۔ ترجمہ اصل تصنیف کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
4۔ ترجمہ کو ترجمہ کی ہی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
5۔ ترجمہ میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک ہونی چاہیے۔
6۔ ترجمہ کو مترجم کے منفرد اسلوب کا نمائندہ ہونا چاہیے۔
7۔ ترجمہ اصل متن کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
8۔ ترجمہ کو مترجم کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
9۔ ترجمے میں اصل تصنیف سے حذف واضافہ کیا جا سکتا ہے۔

10 ۔ترجمہ میں اصل متن سے حذف واضافہ کبھی ممکن نہیں۔

11۔ نظم کا ترجمہ نثر میں ہونا چاہیے۔

12۔ نظم کا ترجمہ نظم میں ہونا چاہیے۔

تھیوڈر نے مختلف اصولوں کی جو فہرست دی ہے،اس میں اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔

یہاں میں شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے محمد رفیع الدین کے قرآن شریف کے ترجمے کا ذکر کروں گا۔

یہ ترجمہ 1776ء میں کیا گیا تھا۔اس زمانے تک اردو نثر خاصی صاف، سادہ رواں ہو چکی تھی۔لیکن چونکہ شاہ محمد رفیع الدین کو یہ خیال تھا کہ قرآن شریف کا ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ ترجمہ میں ایسی کمی بیشی نہ رہ جائے جس سے قرآن شریف کا مفہوم بدل جائے۔اس لیے انہوں نے یہ اہتمام کیا کہ قرآن شریف کے ہر لفظ کا ترجمہ عربی عبارت کے مطابق کیا۔ شاہ محمد رفیع الدین نے قرآن شریف کے ہر لفظ کے نیچے اردو کا مناسب ترین لفظ لکھ دیا اور عبارت کی وضاحت نہیں کی۔اس اہتمام سے قرآن شریف کی عبارت گنجلک ہو گئی۔چوکہ اصل عبارت کی وضاحت کے الفاظ نہیں بڑھائے گئے۔اس لیے معنی و مفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ نا قابل فہم ہو گیا۔عربی میں فاعل اور مفعول سے پہلے فعل آتا ہے۔شاہ محمد رفیع الدین کے اس ترجمے کی یہی ترتیب رکھی، جو اردو کے قواعد اور صرف و نحو کے اصولوں کے خلاف ہے۔شاہ رفیع الدین کے اس ترجمہ کی تاریخی اہمیت ہے کہ اردو میں قرآن کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔نقشِ اوّل میں جو کمی رہ جاتی ہے، وہ اس ترجمے میں ہے۔شاہ محمد رفیع الدین کے بھائی عبدالقادر نے جب شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی کوتاہیاں دیکھیں تو انھیں اندازہ ہوا کہ یہ ترجمہ بہت زیادہ لفظی ہونے کی وجہ سے خلاف محاورہ بیشتر مقامات پر نا قابل فہم ہو گیا ہے۔ 1790ء میں انہوں نے ''موضح القرآن'' کے نام سے خود قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔

شاہ عبدالقادر نے لفظی ترجمے پر آزاد ترجمے کو ترجیح دی۔یہ آزاد ترجمہ بس اس حد تک آزاد ہے کہ انہوں نے یہ خیال رکھا کہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے والا قرآن کو آسانی سے سمجھ سکے،اس لیے انھوں نے کوشش کی کہ قرآن شریف کا مفہوم ایسی اردو میں بیان ہو جائے کہ پڑھنے والا اسے آسانی سے سمجھ سکے۔انھوں نے عربی الفاظ کے اردو الفاظ منتخب کیے اور ایسے اردو الفاظ کا التزام کیا جو عوام میں رائج ہو۔

شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا اردو میں جو ترجمہ کیا ہے،اس سے پہلی بار اردو میں ترجمے کے یہ تین اصول مرتب ہوئے۔

1۔ یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ مترجم اصل متن کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ہم معنی لفظ لکھ دے۔اس طرح کے ترجمے سے عبارت گنجلک ہو جاتی ہے، بیشتر مفاہیم نا قابل فہم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اصل متن کا مطلب کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

2۔ دوسرا اصول یہ مرتب ہوا کہ مترجم یہ خیال رکھے کہ وہ کن لوگوں کے لیے کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے۔اگر وہ ایسے لوگوں

کے لیے ترجمہ کر رہا ہے جو فارسی اور عربی سے واقف ہیں۔ تو اس کو یہ آزادی ہے کہ ترجمے میں عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ استعمال کرے، جو اس کے پڑھنے والوں کی سمجھ میں آ سکیں۔ مترجم اگر ان زبانوں یعنی عربی اور فارسی کے اجنبی الفاظ کا استعمال کرے گا تو ترجمہ مشکل ہوگا اور اجنبی الفاظ کی وجہ سے اس میں رکاوٹ سی پیدا ہو جائے گی اور عبارت میں روانی نہیں رہے گی۔

3۔ تیسرا اُصول یہ مرتب ہوتا ہے کہ اگر ترجمہ عام لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے تو ترجمہ کی زبان، آسان اور قابل فہم ہو۔ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جنھیں کم پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ عربی اور فارسی الفاظ سے بوجھل ترجمے کی ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس کے قارئین کا حلقہ بہت پڑھے لکھے لوگوں تک محدود ہو جاتا ہے۔ اگر زبان آسان اور عام فہم ہو تو ہر طبقے کے لوگ ترجمے کو شوق سے پڑھیں گے۔

**ترجمے کے بارے میں جو مختلف نظریات ہیں۔ اب ہم ان کے بارے میں گفتگو کریں گے۔**

ترجمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ترجمہ ایسا صاف، رواں، سلیس اور رشتہ ہونا چاہیے کہ اسے تصنیف کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔ ایسا ترجمہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی دو زبانیں نہیں ہیں، جن میں ایک زبان کے تمام الفاظ کے مترادفات اس زبان میں ہوں جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اگر مترجم یہ کوشش کرے گا کہ وہ اصل عبارت سے قریب تر ہے اور لفظی ترجمہ کرے تو ترجمہ میں یقیناً اصل تصنیف کی روانی نہیں ہوگی۔ اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ترجمہ، اصل متن کے معانی و مفاہیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ صرف سائنسی ٹیکنیکل اور ریاضی کی کتابوں میں تو کافی حد تک ممکن نہیں ہے لیکن ادبی کتابوں میں اس لیے ممکن نہیں کہ ہر زبان کا مصنف اپنی عبارت میں ایسے الفاظ، محاورے،، کہاوتیں اور روزمرہ استعمال کرتا ہے جن کا ترجمہ ممکن نہیں۔

ترجمے کے بارے میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ترجمے میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک ہونا ضروری ہے۔ یہ نظریہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مترجم کوشش کرے کہ اس کے ترجمے میں اصل تصنیف کے اسلوب نظر آئے تو مترجم پر دوہری پابندی عائد ہو جائے گی۔ ایک تو یہ کہ ایسا ترجمہ کرے جو منشائے مصنف کے مطابق ہو، یعنی ترجمہ اصل تصنیف سے قریب ترین ہو۔ اس پابندی پر مترجم کے لیے ایسے الفاظ کی تلاش ضروری ہو جاتی ہے، جس سے ترجمہ اصل تصنیف سے قریب ہو جائے اور پھر اگر اسلوب کی جھلک کی پابندی عائد کر دی جائے تو مترجم اس ذمہ داری سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ہر زبان میں تمام مصنفوں کا اسلوب ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مصنف اپنی ہی زبان کے دوسرے مصنف کے اسلوب کی پیروی کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اردو میں کئی مصنفین نے غالبؔ کے اردو خطوط کے اسلوب کی نقل کرنے کی کوشش کی، لیکن کسی ایک کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ترجمے میں مصنف اور مترجم کی زبانیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے کوئی بھی مترجم مصنف کے اسلوب کی پیروی میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر مترجم مصنف کے اسلوب کی پیروی کی کوشش کرے گا تو اس سے ترجمے کی خوبی متاثر ہوگی، اس کی دوسری صورت

یہ کہ مترجم اگر صاحب طرز مصنف ہے اور اپنی طرز اور اسلوب میں ترجمہ کرے، تب بھی ترجمہ اچھا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ترجمہ پر مترجم کی شخصیت چھائے گی۔ اس لیے مترجم کے لیے ہرگز مناسب نہیں کے ترجمہ کو اپنے منفرد اسلوب کے سانچے میں ڈھالے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ترجمہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ مترجم کے ہم عصر کی عبارت معلوم ہو۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کیوں کہ ہر تصنیف میں اس کے زمانے کی تہذیبی اور سماجی زندگی کے حوالے ہوتے ہیں۔ ترجمے کو مترجم کے عہد کی عبارت کی کوشش میں اصل تصنیف کے بہت سے تاریخی اور تہذیبی حوالوں کو ترک کرنا پڑے گا اور یہ ترجمے کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔

ترجمے کا ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر تصنیف میں مصنف کی شخصیت اور اس کے عہد کے بہت سے حوالے ہوتے ہیں۔ کیا ہم انہیں حذف کر دیں۔ مصنف کی تحریر میں کچھ مقامات ایسے ہوتے ہیں جو مترجم کے لیے ناقابل فہم ہوتے ہیں یا مترجم تو ان مقامات کو بخوبی سمجھ لیتا ہے، لیکن وہ سوچتا ہے کہ مصنف کی تحریر میں بعض مقامات ایسے ہیں جو بہت سے پڑھنے والوں کے لیے ناقابل فہم ہوں گے یا ان کا مطالعہ مفید نہیں ہوگا یا مصنف نے کچھ باتیں ایسی کہی ہیں جو مترجم کے ذاتی عقائد و نظریات سے مختلف ہیں تو کیا مترجم کو یہ حق ہے کہ وہ متعلقہ عبارت حذف کر دے۔ اسی طرح ایسی کچھ مثالیں ہیں کہ مترجم کو کسی متن کا تنقیدی ایڈیشن تیار کرنا ہے یا اس کا ترجمہ کرنا ہے وہ تنقیدی ایڈیشن کی تیاری میں یا ترجمے کے دوران متن میں اپنا عقائد اور نظریات سے متعلق کچھ عبارت کا اضافہ کر دیتا ہے۔ اضافہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو مترجم اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ کے لیے متن میں عبارت کا اضافہ کر دے، جس کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔

دوسرے اصل تصنیف میں کچھ ایسے مقام ہوتے ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔ مترجم کو یہ حق ہے کہ وہ ضاحت کے لیے کچھ عبارت کا اضافہ کر دے۔ لیکن یہ وضاحتی عبارت مختصر ہو اور اتنی ہو جس سے تصنیف کے ناقابل فہم حصے پڑھنے والے کی سمجھ میں آجائیں۔ یہ وضاحت اتنی طویل نہیں ہونی چاہیے کہ ترجمہ اصل تصنیف کی تفسیر بن جائے۔

نظم کے ترجمے کے بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ نظم کا ترجمہ نظم میں کیا جائے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نظم کا ترجمہ نثر میں کیا جائے۔ اوّل تو بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ نظم کا ترجمہ بہت دشوار کام ہے اور بعض اوقات ناممکن حد تک دشوار ہے۔ انگریزی کے مشہور نقاد جانسن کا قول ہے کہ 'نظم کا ترجمہ تو ہو ہی نہیں سکتا'۔ اگر نظموں کا ترجمہ نثر میں کیا جائے تو کچھ حد تک قابل برداشت ہوتا ہے اگر نظم کا ترجمہ نظم میں کیا جائے تو اصل نظم کے ساتھ سخت ناانصافی ہے، کیوں کہ اس طرح کے ترجموں میں اصل مطلب کیا کچھ کہتا ہے اور مترجم کچھ اور ترجمہ کرتا ہے۔ نظم میں عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ شاعر اپنے خیال کو شعر کے سانچے میں اس طرح ڈھالتا ہے اس شعر کے ایک سے زیادہ مفہوم ہو جاتے ہیں، اس لیے شاعروں کے کلام کی شرح لکھی جاتی ہے۔ غالبؔ کے اردو کلام کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور ان شرحوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اشعار کو اپنی فکر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے ایک ایک شعر کے کئی مفاہیم رائج ہو جاتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مترجم سبھی مفاہیم کا ترجمہ کرے یا صرف ایک کا۔ سبھی مفاہیم کے ترجمے سے ترجمہ نہیں،

دوسری زبان میں ایک اور شروع ہو جائے گی اور اگر مترجم صرف ایک مفہوم کا ترجمہ کرے تو کس مفہوم کو ترجیح دے اور یہ ضروری نہیں کہ مترجم نے جس مفہوم کو ترجمے کے لیے ترجیح دی ہے، وہ صحیح ہو یا زیادہ لوگوں کے لیے قابل قبول ہو۔ اگر نظم کا ترجمہ کرنا ہی ضروری ہے تو نظر میں ترجمہ کرنا بہتر ہوگا۔

## 3.4 لفظ، محاورے، عبارت اور اسلوب کا ترجمہ

لوگ شکایتاً کہتے ہیں کہ اردو کی لفظیات بہت محدود ہیں لیکن اردو کی تہی دامانی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس میں امکانی قوتوں کا بھی فقدان ہے یا یہ کہ اس میں ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا بالکل خلاف واقعہ ہوگا۔ اردو کے بڑے ماخذ تین ہیں۔ عربی، فارسی اور ہندی اور تینوں میں کم و بیش ایسی خصوصیات ہیں جو ترجمے کے کام میں بہت مدد دے سکتی ہیں۔ عربی کی قواعد کچھ اس قسم کی ہے کہ ایک ہی لفظ کے بہت سے الفاظ بنائے جا سکتے ہیں۔ فارسی زبان اپنی لطافت کی چاشنی اور شعریت کی وجہ سے ترجمے میں چار چاند لگا دیتی ہے اور بعض اوقات ہندی سے بھی ایسے الفاظ مل جاتے ہیں جو اپنی قوتِ گویائی کے لحاظ سے لاجواب ہوتے ہیں۔

ترجمہ کے کام میں انگریزی اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ سینکڑوں انگریزی الفاظ اردو میں داخل ہو کر اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کا ترجمہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ بلا تکلف اردو کے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح کچھ الفاظ ایسے ہیں جو اردو لب و لہجہ کے مطابق خفیف ترمیم کے ساتھ اپنائے جا سکتے ہیں مثالیں نیچے دی جا رہی ہیں:

| دوسری قسم | | پہلی قسم | |
|---|---|---|---|
| Tachnique | تکنیک | School | اسکول |
| Romance | رومان | College | کالج |
| Sonnet | سانیت | University | یونیورسٹی |
| Studio | اسٹوڈیو | Bus | بس |
| Stanza | استزا | Tractor | ٹریکٹر |
| Mechanical | میکانیکی | Scooter | اسکوٹر |
| Report | رپٹ | Teacher | ٹیچر |
| Lanten | لالٹین | position | پوزیشن |
| Candle | قندیل | Propaganda | پروپیگنڈہ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| Match box | ماچس | Professer | پروفیسر |
| Box | بکس | Lecture | لکچرر |
| Almirah | الماری | Director | ڈائرکٹر |
| Hospital | اسپتال | Train | ٹرین |

الفاظ اور عبارت کا ترجمہ کرنے کے لیے علاحدہ علاحدہ اصول ہیں۔ الفاظ کا ترجمہ کرنے میں درج ذیل اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

(1) ترجمہ صحیح ہونا چاہیے۔

(2) حتی الامکان عام فہم ہونا چاہیے۔

(3) سبک اور خوبصورت ہونا چاہیے۔

1۔ ترجے کا صحیح ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ جو تصور اصل میں ہے وہ اگر نقل میں ادا نہیں ہوتا یا اصل کی سی شدت کے ساتھ ادا نہیں ہوتا تو ایسا ترجمہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہوسکتا۔

2۔ ترجمہ کا حتی الامکان عام فہم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ عوام کو ان تصورات سے روشناس کرایا جائے جو اصل میں موجود ہیں۔ اگر ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معمولی تعلیم یافتہ طبقہ نہ جانتا ہو تو وہ ان تصورات کو کیا سمجھے گا۔

3۔ ترجے کے سبک اور خوبصورت ہونے کی شرط زیادہ جمالیات کے نقطہ نگاہ سے ہے لیکن اس کا عملی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ بھدا بھاری بھرکم لفظ استعمال کرنے سے بیان میں الجھاؤ اور گرانی پیدا ہو جاتی ہے اور مطالب کے اظہار اور تفہیم دونوں میں دشواری ہوتی ہے۔ لہٰذا ترجے کا مقصد جیسا چاہئے پورا نہیں ہوتا۔

ان تینوں شرطوں پر برابر توجہ دینا مشکل ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر لفظ کا ترجمہ شرطوں پر پورا اترے۔

عربی کے مقابلے میں فارسی الفاظ اردو داں حضرات کے لیے زیادہ عام فہم ہوتے ہیں اور سبک اور خوبصورت بھی۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

| انگریزی | عربی | فارسی |
|---|---|---|
| Thermometer | مقیاس الحرارت | تپش پیما |
| Fire-extinguisher | قطع النار | آتش کش |
| Fight | طیران | پرواز |
| Cuting | قطعہ | تراشہ |

لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ بعض اوقات عربی ترجمے بھی نہایت سبک اور حسین ہوتے ہیں۔ جیسے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| معجّل | Urgent | قاصد | Messenger |
| تقدیم، ترجیح | priority | عکاسی | Photography |

کبھی کبھی عربی اور فارسی کی آمیزش سے بہت خوبصورت ترجمہ ہوسکتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| طیارہ | Pilot | خیراندیش | Good will |

یہ ضروری نہیں کہ ہر لفظ کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے۔ اصل عبارت میں اکثر الفاظ ایسے ملتے ہیں جو ایک خاص ماحول رکھتے ہیں اور ایک خاص تلازمۂ خیال پیش کرتے ہیں۔ اگر ترجمے میں آنکھ بند کرکے ان کے مترادف الفاظ رکھ دیے جائیں تو نتیجہ اکثر مضحکہ خیز ہوگا۔

ہر زبان کے الفاظ میں ایک وزنی اضافی ہوتا ہے۔ بہ ظاہر اکثر الفاظ ہم معنی نظر آتے ہیں اور ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں لیکن گہری نظر ڈالنے سے ان الفاظ یا معانی میں نازک امتیازات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ بلکہ اکثر یہ امتیازات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً ذیل کے الفاظ اردو میں بہ ظاہر ہم معنیٰ ہیں۔

عریاں' برہنہ' ننگا لیکن ان کے محلِ استعمال پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بہت فرق ہے۔ لفظ 'برہنہ' میں حقیقت اتنی بے لباس نہیں ہے، جتنی کے لفظ 'ننگا' میں ہے۔ اور لفظ عریاں میں اس سے بھی کم ہے۔ مطلق الفاظ کا ترجمہ ہو یا عبارت کا، اس وزن اضافی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

الفاظ کا ترجمہ کرنا پھر بھی نسبتاً آسان ہیں لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک طرف تو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان اللفظ ہو، اصل عبارت کا محض لب لباب یا تبصرہ نہ ہو اور دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ اور فقرہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہر زبان میں مخصوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوب اظہار یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو اصل کا لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ اس کے مرکزی خیال کو ادا کرتا ہو یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ترجمے میں جملے کی ساخت حسب ضرورت تبدیل کرنی پڑتی ہے یا الفاظ گھٹانے بڑھانے پڑتے ہیں تا کہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے۔ درج ذیل مثال ملاحظہ کیجیے۔

> "The Common interests of mankind are numerous and weighty, but our exiting political machinery obscurus them through the scramble for power between different nation and different parties"

انسان کے مشترک مفادات کثیر اور نہایت اہم ہیں لیکن ہماری موجودہ سیاسی مشینری مختلف قوموں اور جماعتوں کے

درمیان اقتدار کی کشاکش کے ذریعے انہیں دھندلا کر دیتی ہے۔

ترقی یافتہ زبانوں کے جملے اکثر پیچیدہ اور لمبے ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسالیب مقرر عام فہم ہو چکے ہیں اور مطلب سمجھنے میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی لیکن اردو ابھی زیادہ پیچیدہ اور لمبے جملوں کی متحمل نہیں ہے۔لہٰذا ترجمہ کرتے وقت ایسے جملوں کو اسلوب کے ساتھ ترجمہ کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے ترجمہ کی زبان میں اظہاری وسعت پیدا ہوتی ہے اور اگر بالکل ناممکن ہو جائے تو جملوں کے ٹکڑے سے کم چلانا چاہیے۔

مختصر یہ کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہونا چاہیے۔اصل عبارت کا محض خلاصہ نہیں ہونا چاہیے۔ترجمہ حتی الامکان زبان کے محاورے کے مطابق ہونا چاہئے۔کیونکہ محاورے،غزل کے اشعار کے مانند ہوتے ہیں اور اصل زبان کے اسلوب کو منتقل کرنے میں مدد ملتی ہے اور مواد کی اثر انگیزی ترجمے کی زبان میں باقی رہتی ہے۔اس کے لیے ترجمے کی زبان کے محاوروں کی روایت اور مبسوط اور ترجمے میں باقی رہے۔زبان کو وسعت دینے کا طریقہ یہی ہے کے جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا مترادف تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔خواہ وہ مترادف نامانوس ہی کیوں نہ ہو،اصل عبارت میں جملہ اگر اس قدر پیچیدہ اور لمبا ہو کہ اس کا تحت اللفظ ترجمہ کرنے سے معنی میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں جملے کو ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔

## 3.5 اصول اصطلاح سازی

بیسویں صدی کے آغاز میں جب جامعہ عثمانیہ میں دارالترجمہ قائم ہوا تو وضع اصطلاحات کی ضرورت محسوس کی گئی۔اس ادارے سے جن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا،ان میں زیادہ تر کتابیں انگریزی کی تھیں۔لہٰذا وضع اصطلاحات کا جو کام شروع کیا گیا تو عام طور پر انگریزی اصطلاحات کا مسئلہ سامنے رکھا گیا۔دارالترجمہ میں جن علماء کا تقرر کیا گیا تھا،اُنھیں عام طور سے عربی اور فارسی پر قدرت حاصل تھی، اس لیے فطری طور پر ان کا رجحان ان زبانوں کی طرف تھا،اس لیے دارالترجمہ کے معزز اراکین نے کثرت رائے سے یہ مسئلہ اس طرح طے کیا کہ فارسی زبان کی اصطلاحیں بجنسہ یا کسی تغیر وتبدل کے ساتھ اردو میں اختیار کرنے کے بجائے خود اپنی اصطلاحات وضع کی جائیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ انگریزی اصطلاحات کو بجنسہ نہیں لیا گیا لیکن عربی اور فارسی الفاظ کی مدد سے اردو اصطلاحات وضع کرنے میں عربی اور فارسی الفاظ سے مدد لی گئی۔

دارالترجمہ سے جن کتابوں کے ترجمے حاصل ہوئے،ان میں عربی فرسی کے ان اصطلاحات کا استعمال کیا گیا جو اردو والوں کے لیے اجنبی تھے، یہ اصطلاحات چونکہ مشکل تھیں اس لیے یہ اصطلاحیں دارالترجمہ سے باہر مقبول نہیں ہوئیں اور پھر ان افراد یا اداروں نے جو ترجمے کا کام میں مصروف تھے،انفرادی طور پر اپنی اصطلاحیں وضع کیں اور بیشتر اصطلاحیں اردو میں استعمال ہوتی ہیں،جن پر عام طور سے ادیبوں اور محققوں کو مجموعی طور پر اتفاق نہیں ہے۔اصل میں بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی اسکالر نے کوئی نئی اصطلاح وضع کی تو اس کے ہم عصر اس اصطلاح کا استعمال اس لیے نہیں کرتے کہ اس سے وہ چھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم ایسی اصطلاحات ہوں گی جن پر اکثر محققین اور ادیبوں کو اتفاق ہو۔ورنہ صورتِ حال

یہ ہے کہ ہر مترجم اپنی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔جس پر اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ، کی کہاوت صادق آتی ہیں۔

یہاں مولانا وحیدالدین سلیم کی کتاب 'وضع اصطلاحات' کا ذکرضروری ہے۔مولانا نے یہ کتاب بیسویں صدی کے آغاز میں لکھی تھی اورانجمن ترقی اردو نے اسے شائع کیا تھا۔اس موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے،اس میں اصطلاحیں وضع کرنے کے اصول بیان کیے گئے تھے۔اب حالات بدلنے کی وجہ سے ان اصولوں میں تبدیلی کرنی پڑی ہے کیونکہ وہ زمانہ نہیں رہا جب دارالترجمہ نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔اس وقت عربی اور فارسی کے جاننے والوں کی تعداد اتنی کافی تھی کہ دارالترجمہ کی وضع کی گئی اصطلاحات کو بہت حدتک سمجھ سکتے تھے۔لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ایسے لوگ بہت کم ہیں جوعربی فارسی سے پوری طرح واقف ہیں اوران اصطلاحات کا استعمال کریں جوعربی فارسی الفاظ کی مدد سے وضع کی گئیں۔اب ہمیں وضع اصطلاحات کے درج ذیل اصولوں کواپنانا ہوگا۔

1۔ فارسی اوردوسری زبانوں کی بنیادی اصطلاحات کااردومیں ترجمہ کرناہےتوپہلے وہ الفاظ دیے جائیں جواردومیں مستعمل ہو۔ مثلاً Acid کے لیے تیزاب، Hospital کے لیے اسپتال، Kerosine Oil کے لیےمٹی کا تیل، Glass کے لیے شیشہ، Butter کے لیےمکھن، Wire کے لیے تار، Medicne کے لیےدوا، Aerodrome کے لیےہوائی اڈاوغیرہ۔

2۔ پھرایسےالفاظ یا اصطلاحات لی جائیں جوبنیادی طورپرانگریزی الفاظ پرمشتمل ہوں لیکن ان کا تلفظ یا معنی بدل گئے ہوں۔مثلاً Match Box کے لیے ماچس، Lantan کے لیےلالٹین، **Box** کے لیے بکس۔

3۔ پھر یہ کوشش کی جانی چاہیے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ہمارے مطلب کے جو ایسے الفاظ ہوں، جنھیں ہم اصطلاحات کےطورپراستعمال کرسکتے ہیں،انہیں جوں کاتوں لےلیا جائے۔

4۔ اس کےعلاوہ انگریزی کے وہ الفاظ یا اصطلاحیں جواردو میں اپنے اصل تلفظ کے ساتھ استعمال ہورہی ہیں، ان کوبھی جوں کا توں رکھا جائے۔مثلاً ڈاکٹر،نرس،انجینئر،ٹیکس،کار،ریڈیو،ٹی وی وغیرہ۔

5۔ اور اگران میں اصول کے مطابق ہمیں اصطلاحیں نہیں ملتیں تو ان کے لیے نئ اصطلاحات وضع کرنی چاہیئں،اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اصطلاحات آسان ہوں اوران میں انگریزی یا فارسی کے ایسے الفاظ کااستعمال کیا گیا ہوجوعام طور سےاردومیں سمجھے جاسکتے ہیں۔

ترقی اردوبورڈ (موجودہ قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان) نے بڑے پیانے پرمختلف علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا۔اس کام کے لیےضروری تھا کہ مختلف سائنسی،تکنیکی اورفنی مضامین کے ترجمے کے لیےاردو میں اصطلاحیں وضع کی جائیں۔قومی اردوکونسل نے دیگرمضامین کی طرح لسانیات کی کتابوں کے ترجمے کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔کمیٹی نے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے اصطلاح سازی کے لیے جواصول مرتب کیے ہے وہ درج ذیل ہیں:

1۔ ایسی اصطلاحوں کوترجیح دینا چاہیے جومروج یا مقبول ہوچکی ہوں۔چاہےان میں کوئی لسانی یا معنوی سقم ہی

کیوں ہو۔

2۔ اگر کوئی اصطلاح ایک سے زائد معنوں میں مستعمل ہے تو ایسی صورت میں اس کے مختلف مفاہیم کو علاحدہ علاحدہ الفاظ / اصطلاح سے واضح کیا جانا چاہیے۔

3۔ اصطلاحوں اور عام الفاظ میں فرق کیا جانا چاہیے۔ عام الفاظ کو فرہنگ میں شامل نہیں کیا جانا چاہئے۔

4۔ کون سا لفظ اصطلاح اور کون سا محض ایک عام لفظ، اس کا فیصلہ مضمون کے ماہرین کی رائے اور حسب ضرورت معیاری انگریزی لغات کی مدد سے کیا جانا چاہیے۔ اگر ایسی لغت یا لغات میں کسی لفظ کے کوئی خاص معنی کسی فن یا کسی علم سے مخصوص ہیں تو اس فن یا علم کے مقاصد کے لیے اس لفظ کو اصطلاح تصور کیا جائے۔

5۔ جہاں تک ممکن ہو، ایک اصطلاح کا ایک ہی اردو متبادل دیا جائے۔ بشرطیکہ وہ اصول نمبر 2 کی ذیل میں نہ آتا ہو۔

6۔ جہاں تک ممکن ہو، اصطلاح یک لفظی ہی ہونی چاہیے۔ ناگزیر صورتوں میں یہ دو لفظی بھی ہوسکتی ہے۔ ایسی اصطلاحیں کم سے کم وضع کی جائیں جو دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہوں۔

7۔ ہندی اصطلاح کو اختیار کرنے کو (اگر ایسی اصطلاحیں اردو میں بآسانی تلفظ اور تحریر کی جاسکتی ہوں) عربی اصطلاحوں کے اختیار کرنے پر مراجع سمجھا جائے گا۔

8۔ اگر کسی اصطلاح کو ایک سے زائد الفاظ کے ذریعے ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حسب ذیل ترکیبات کو نیچے دی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے ترجیح دی جائے گی۔

الف) وہ ترکیبات جن میں اضافت یا حروف ربط وجار کی قسم کے الفاظ وعلامات نہ ہوں۔

ب) وہ ترکیبات جن میں یائے نسبتی ہو۔

ج) وہ ترکیبات جن میں اضافت ہو (بشرطیکہ ان میں ایک سے زائد اضافتیں ہوں تو ان میں کم سے کم ایک کو، کا، کی، کے سے بدل دیا جائے۔

د) وہ ترکیبات جن میں کا، کی، کے، وغیرہ استعمال کیے گئے ہو۔

9۔ اگر کوئی اصطلاح ایک سے زائد علم یا فن میں مشترک ہے اور ان سے علوم وفنون میں ایک ہی مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اردو متبادل بھی ہر جگہ ایک ہی رکھا جائے گا۔

10۔ الفاظ کو واضع کرنے کے اصولوں میں اتنی کشادہ دلی ہونی چاہیے کہ ہندی، عربی اور فارسی یا عرب فارسی یا فارس عربی اور پراکرت ترکیبات بھی قابل قبول ٹھہریں۔

11۔ اگر کوئی انگریزی اصطلاح مروّج ہو اور عام فہم ہو تو اسے برقرار رکھا جائے۔ ایسی عام فہم اصطلاحوں کے

لیے اردو متبادلات بنانے یا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

12۔ اعلام کو ایسا ہی لکھا جائے جیسے کہ وہ اردو میں متقبول ہو چکے ہیں۔ البتہ ایسے اعلام جو ابھی مقبول نہیں ہوئے ہیں، ان کو حروف تہجی کے حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ممکن صحت کے ساتھ لکھا جانا چاہیے

13۔ اگر کوئی علم کسی اصطلاح کا حصہ بن چکا ہے تو اسے علم کا اصول نمبر 12 کی روشنی میں اردو میں ترجمہ کیا جانا چاہیے۔

---

## 3.6 مترجم کے بنیادی فرائض

ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک تخصیصی کام ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ وسیع المطالعہ ہو۔ فن پاروں اور ادبی تخلیقوں، صاحب طرز ادیبوں اور مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو۔ دونوں زبانوں کی قواعد، الفاظ، روزمرہ، استعارات و کنایات، تشبیہات، ضرب الامثال اور ان زبانوں سے واقفیت جن سے اردو کی تشکیل عمل میں آئی ہے، اس میں زبان کا مزاج، رنگ ڈھنگ اور پیرائیہ بیان بھی شامل ہے۔ مترجم اصل زبان اور ترجمے کی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو اور اس عبور اور قدرت کا معیار یہ ہو کہ دونوں زبانوں کی فقروں، محاوروں اور تہذیبی پس منظر سے بخوبی واقف ہو۔ جس متن کا ترجمہ مطلوب ہے اسے پوری طرح سے مطالعہ کرے اور متن کے مضمون کے مبادیات سے بھی کما حقہ واقف ہو۔ اس کا طرزِ تحریر اور انداز بیان ایسا ہو کہ بات جو اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اسے اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو موزوں طریقے سے اپنی زبان میں کچھ اس طرح منتقل کرے کہ قاری ترجمہ شدہ مواد کا مطالعہ کرتے وقت کسی ابہام کا شکار نہ ہونے پائے جو بات اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اس تک قاری کے ذہن کی رسائی ہو جائے۔

کسی زبان کے مواد کو ہو بہو دوسری زبان میں منتقل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضروری ہے۔ کیونکہ کہ ہر زبان کا اپنا تہذیبی پس منظر، آہنگ اور مزاج ہوتا ہے۔ ان پہلوؤں کا بہ حسن خوبی ترجمہ اسی وقت ممکن ہو پائے گا جب وہ نہ صرف دونوں زبانوں کی لغات پر قدرت رکھتا ہو بلکہ ان کے مزاج، ترکیب اور ماخذات سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہو اور ترجمہ کرتے وقت اصل متن کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں اس کے مزاج اور آہنگ کے مطابق سمو کر ایسے پیرایہ بیان میں منتقل کرے کہ زبان کی سلاست و روانی اور موضوع و مفہوم کے بیان میں کہیں بھی ابہام کا شبہ تک نہ ہو بلکہ جس قاری نے اصل کتاب نہ پڑھی ہو، اسے ترجمے کے اصل ہونے میں کچھ شک و شبہ نہ ہو اور جن قارئین نے کتاب کا مطالعہ کیا ہو وہ بھی ترجمے کو پڑھتے وقت کسی مقام پر نہ الجھیں بلکہ مترجم کے ساتھ ساتھ آگے آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس بعض ترجموں کے دوران ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اصل تصنیف کی زبان کا تہذیبی پس منظر ترجمے کی زبان کے تہذیبی پس منظر سے بالکل مختلف ہو اور مصنف کا مدعا ما نند عنقا ہو تو مترجم کی تمام کوششوں کے باوجود اگر ترجمے میں مغائرت کی کیفیت پیدا ہو تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ ترجمے کی زبان و بیان، مواد اور تہذیبی فکری پس منظر کی سطح پر خوش آئند بہتری کا باعث ہوگا۔

مترجم کا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا اس کے کام میں اتنی ہی عمدگی پیدا ہوگی۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ زبان وادب، فلسفہ، نفسیات، سماجیات، تاریخ، سائنس، مذہب، اقتصادیات جیسے مضامین سے بخوبی واقف ہو۔ ہر طرح کے مضامین اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں واقفیت رکھنا صحافی مترجم کے لیے اشد ضروری ہے۔

اچھے ترجمہ کے لیے موزوں الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ مترادفات کا انتخاب موزوں ترین ہونا چاہئے۔ لہٰذا اچھا مترجم وہی ہے جو موقع محل کی مناسبت سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرے۔ ایسا صرف اس وقت ممکن ہو پاتا ہے جب مختلف لغات مترجم کے زیر مطالعہ رہیں تاکہ وہ حسب ضرورت اپنے مطلب کا لفظ چن سکے۔ مترجم اصطلاح کا ترجمہ اصطلاح میں اور محاورے کا ترجمہ محاورے میں کرے تو احسن ہوگا، اگر اصطلاح فنی ہو تو مسلمہ اصولوں کے مطابق نئی اصطلاح وضع کرنے کی پوزیشن میں ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے لغات پر عبور ہو جس کے لیے وسیع مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مترجم کو چاہیے کہ وہ موزوں الفاظ اور اصطلاحات کو ایسے پیرائے میں بیان کرے کہ مطلب صاف اور واضح طور پر قاری کے ذہن پر نقش ہو جائے۔

مترجم کو اس بات کی آگہی ہونی چاہیے کہ ہر فن کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، کچھ شرائط اور قیود ہوتی ہیں اور کچھ پابندیوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ فن کار اپنے فن پارے کی تخلیق خونِ جگر سے کرتا ہے۔ موزوں الفاظ کے انتخاب میں کاوش کرتا ہے۔ صحیح لفظ کی تلاش کے لیے تگ ودو کرتا ہے اور پھر اسے اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ جب وہ موزوں ہیئت، اسلوب اور پیرایہ بیان کے قالب میں ڈھل کر نکلتا ہے تو اپنے اندر ایک ندرت لیے ہوئے ہوتا ہے۔ ہر لفظ پنے اندر ایک کائنات سمیٹے ہوئے اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔ اخلاقی، سماجی، معاشی، علمی، سائنسی اور فنی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور مخصوص معنی سے قاری کے ذہن کے دریچے اس طرح کھول دیتا ہے کہ وہ ایک لفظ سے ایک مکمل آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم اخلاق، مذہب یا سائنس کا لفظ سنتے ہیں تو ہمارے سامنے غور و فکر کی ایک وسیع دنیا آجاتی ہے۔

اس کے علاوہ مترجم کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اگر اصطلاحیں نہ ہوں تو ہمیں علمی مطالب کے ادا کرنے میں دشواری ہوگی۔ اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتی ہیں۔ لغت وہ ہے جس پر جمہور کا اتفاق ہو، اصطلاح وہ ہے جس پر خاص گروہ کا اتفاق ہو۔ لفظ تشریح طلب نہیں ہوتا جب کہ اصطلاح ایک تشریح طلب ہوتی ہے۔ مختصراً ترجمہ کے اصول درج ذیل طئے سے پاتے ہیں:

1۔ ہر انگریزی لفظ کے لیے ایک ہی اردو لفظ استعمال کیا جائے۔ بشرطیکہ خود اس انگریزی لفظ کے متعدد معنی نہ ہوں۔ مثلاً انگریزی لفظ ڈیفنس کے لیے اردو میں اگر ہم کہیں اس کا ترجمہ دفاع کریں، کہیں تحفظ اور کہیں حفاظت وغیرہ تو یہ مناسب نہیں ہوگا۔

2۔ کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے مترجم کو چاہیے کہ وہ پہلے پوری کتاب کا باقاعدہ کئی بار مطالعہ کرے اور اصطلاحوں اور مشکل الفاظ کو نشان زد کرنے کے بعد ان کی فہرست تیار کر لے۔ ان کے لیے موزوں ترجمے تجویز کرے اور ہر جگہ

وہی اصطلاح اختیار کرے۔ مناسب ہوگا اگر کتاب کے آخر میں فہرست دینے کا اہتمام کرے۔

3۔ جہاں تک ممکن ہو کسی انگریزی لفظ کے اردو متبادل کے لیے اس قسم کا لفظ منتخب کرنا چاہیے جس سے اس کے مشتقات وضع ہوسکیں۔ مثلاً ایڈمنسٹریشن کا ترجمہ انتظامیہ ہوسکتا ہے۔ اس سے ہم انتظام، تنظیم، تنظیمی، منتظم، انتظامی وغیرہ الفاظ مشتق کرسکتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں ہوگی کہ انگریزی کے لفظ کا ترجمہ کچھ ہو، اور اس کے مشتقات کا کچھ اور، جو اصل لفظ سے مشتق نہ کیا گیا ہو۔

4۔ انگریزی کی فنی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت یہ خیال رکھنا جائے کہ اردو میں بھی وہ لفظ اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہو، نہ کہ تشریح۔ وحیدالدین سلیم کے بقول ''اصطلاح ایک چھوٹی سی علامات ہوتی ہیں بڑے مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے اور بولنے والوں اور لکھنے والوں کو وقت ضائع کرنے سے بچاتی ہے''۔

5۔ اگر اردو میں کسی انگریزی لفظ کے لیے پہلے کوئی لفظ موجود ہے تو نیا لفظ نہ گڑھا جائے، بہتر ہے کہ اسی کو استعمال کیا جائے۔ مثلاً بل آف ایکسچینج کے لیے اردو میں پہلے سے ایک لفظ ''ہنڈی'' موجود ہے۔

6۔ بہت سے انگریزی الفاظ اردو زبان کا جزو بن چکے ہیں۔ انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے، مثلاً رجسٹری، بل، ڈاک اور ٹکٹ وغیرہ۔

7۔ بہت سے انگریزی الفاظ اُردو میں آکر بگڑ گئے ہیں لیکن وہ اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے۔

8۔ اگر کوئی انگریزی لفظ یا اصطلاح اور اس کا اردو متبادل دونوں یکساں طور پر اردو میں مقبول ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں کو رہنے دیا جائے مثلاً کمیٹی اور مجلس وغیرہ۔

9۔ ایسے موزوں مقامی الفاظ کو بھی جگہ دی جاسکتی ہے جو خاصے مقبول ہو چکے ہوں۔ بجائے اس کے کہ کوئی مصنوعی اور بھونڈی اصطلاح وضع کی جائے۔ مختصرات کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ پورا لفظ ترجمہ کیا جائے۔

10۔ جس موضوع کا ترجمہ کرنا مقصود ہو اس سے متعلق، کتب وغیرہ کا باقاعدہ مطالعہ کرلیا جائے۔

## 3.7 ترجمے کی تین اہم میدان

ترجمہ کے تین اہم میدان درج ذیل ہیں۔

1۔ علمی ترجمہ 2۔ ادبی ترجمہ 3۔ صحافتی ترجمہ

دراصل مذکورہ بالا تینوں قسمیں ترجمے کی تین اہم میدان ہیں۔ جن پر ترجمے کی تینوں تکنیکوں یعنی (1) لفظی ترجمہ (2) بامحاورہ یا بین بین ترجمہ (3) آزاد ترجمہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ایک چیز قابل غور یہ ہے کہ کسی تصنیف یا متن پر شروع سے آخر تک کسی ایک تکنیک کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ تینوں تکنیکوں کا استعمال کسی بھی فن پارہ اور مواد پر ہوتا ہے۔ آپ کو ایک ایک کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ کس تکنیک کے استعمال سے معیاری ترجمہ ہوسکتا ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ

مواد کی نوعیت کے پیش نظر کسی ایک تکنیک کا استعمال غالب ہوسکتا ہے۔مثال کے طور پر اگر مواد علمی نوعیت کا ہے تو لفظی ترجمہ کی تکنیک غالب ہوگی اور اگر ادبی فن پارے کا ترجمہ کرنا مقصود ہے تو با محاورہ یا بین بین ترجمہ کا طریقہ غالب ہوگا اور اگر صحافتی نوعیت کا مواد ہے تو آزاد ترجمے کی تکنیک غالب ہوگی لیکن کسی ایک قسم کے مواد پر شروع سے آخر تک کسی ایک تکنیک کا استعمال کرنا غلط ہوگا۔اس مختصر بحث کے پس منظر میں مناسب ہوگا کہ متذکرہ بالا تینوں قسموں پر علاحدہ علاحدہ ذرا تفصیلی روشنی ڈال لیں۔

### 1۔علمی ترجمہ:

علمی ترجمہ کے تحت تمام سائنسی علوم وفنون کی کتابیں آتی ہیں جن میں جغرافیہ،تاریخ،ریاضیات،معاشیات،قانون، طبعیات،سیاسیات، انجینئر نگ اور میکانیات وغیرہ کی کتابیں شامل ہوتی ہیں۔علمی ترجمے عام طور سے لفظی ترجمہ کی ذیل میں آتے ہیں۔علوم وفنون میں مخصوص ومتعین لفظیات اور اصطلاحی استعمال ہوتی ہیں۔اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی لفظ یا اصطلاح کا جوترجمہ ایک جگہ کیا جائے ان کا انہیں معنوں میں ہر جگہ استعمال کیا جائے تاکہ ترجمے میں یکسانیت برقرار رہے اور قاری کا ذہن کہیں بھی الجھنے نہ پائے۔ان ترجموں میں سب سے بڑا مسئلہ اصطلاحوں کے ترجموں کا ہوتا ہے۔ان اصطلاحوں کو وضع کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اصطلاحیں مسلمہ اصولوں کے مطابق وضع کی جائیں۔تمام شرائط کے علاوہ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ علمی وفنی کتابوں کا ترجمہ متعلقہ علم وفن کا ماہر انجام دے۔

### 2۔ادبی ترجمہ:

ادبی ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ محاورہ کیا جائے اور ترجمے کی زبان کے روزمرہ،ضرب الامثال،تشبیہات، استعارات وکنایات،تلمیحات اور رموز وعلامات سے کام لیا جائے تاکہ ترجمے میں ادبی آجائے اور ترجمہ تخلیقی نوعیت اختیار کر لے۔دراصل ادب کے ادبیت اثرانگیزی مذکورہ صنعتوں میں مضمر ہوتی ہے اور انہیں کے باوصف وہ اپنے پارے کو تابدار بناتے ہیں۔مختصراً یہ کہ تخلیق کار کی بات کو اس طرح بیان کیا جائے اس کی اصل حیثیت مسخ بھی نہ ہو اور ترجمہ با محاورہ اسلوب کے ساتھ ہو جائے۔

### 3۔صحافتی ترجمہ:

اسے کھلا ترجمہ بھی کہتے ہیں اور یہ مفہوم کے ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔مفہوم کا ترجمہ کرنا سب سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ایسے ترجموں میں کسی پابندی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مترجم کے لیے یہ آسانی ہوتی ہے کہ اصل مفہوم کو سمجھ کر اپنی زبان میں اپنے طریقے سے بیان کردے۔

اخباری ترجمے میں سب سے مقدم مصلحت یہ ہے کہ مطلب بالکل واضح اور عبارت قطعی طور پر سلیس ہو، تاکہ قارئین کو کوئی الجھن نہ ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ترجمے کی زبان کا فقرہ ملحوظ خاطر رکھا جائے۔اگر صحافی مترجمین سادگی سلاست

اور اردو کے فقرے کی ساخت کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کریں تو خود کے لیے بھی آسانی ہو اور قارئین کے ذہن پر بھی بار نہ پڑے۔ ان کو چاہیے کہ جہاں وہ انگریزی کے فقرے کی ترکیب پیچیدہ اور طویل پائیں وہاں اس کی چیر پھاڑ کر دی اور ترجمہ کرنے کے بعد ایک دفعہ پڑھ کر دیکھ لیں کہ آیا اصل مطلب ادا ہو یا نہیں صحافتی تحریروں کا مقصد صرف عوام کو آگاہ کرنا ہے تو دوسری طرف عوام کے حالات، امور، مصائب اور احساسات کے بارے میں حکومت وقت کو باخبر رکھنا ہوتا ہے۔ اس لیے آسان سے آسان زبان و بیان استعمال کرنا صحافت کی سب بڑی ضرورت اور خوبی ہے۔ صحافت کے اہم زمے داریوں کے پیش نظر ہی اسے جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ پہلا ستون مقنّنہ Legislative، دوسرا ستون انتظامیہ Exective، اور تیسرا ستون عدلیہ Judiciary ہے۔ لغت مترجم کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور اس سے ہر ممکن مدد لینی چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے وقت پر کسی لفظ کا صحیح اور موزوں ترجمہ دماغ میں نہ آئے اور لغت دیکھنے سے ایسا نفیس لفظ ہاتھ آ جائے جو فقرے میں جان ڈال دے۔

## 3.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ ترجمے کے اغراض و مقاصد، اصول اور اس کے تکنیک سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ اس اکائی کے خلاصہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسانی معاشرہ سماجی گروہوں میں منقسم ہے اور مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہے۔ نتیجتاً مختلف زبانیں پائی جاتی ہیں۔ انسانی خواہشات، ضروریات میں بدلتی ہیں اور ضروریات مختلف قوموں اور لسانی گروہوں میں لین دین کی خواہش و ضرورت کی باقاعدہ تکمیل کے لیے ترجمہ کا فن اور اصول جنم لیتے ہیں۔ اصول وضوابط اور اصل کسی بھی عمل یا فن میں باقاعدگی لانے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔

ترجمہ کی اہمیت اور قدر و قیمت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ دنیا کے علوم تک رسائی صرف اور صرف ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہو پاتی ہے۔ ترجمے کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک تخلیقی دوسرا مشینی قسم ہے۔ تخلیقی ترجمے کے دو مطالب ہوتے ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ تخلیقات کے ترجموں کو تخلیقی ترجمہ کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب کوئی ترجمہ تخلیقی نوعیت یا معیار کا ہوتا ہے تو ایسے ترجمہ کو بھی تخلیقی ترجمہ کہتے ہیں۔

1776ء میں شاہ محمد رفیع الدین نے قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کیا تھا، جس کی وجہ سے ترجمہ کافی گنجلک ہو گیا۔ اس کے باوجود ترجمہ کی تاریخ میں اس کی ایک الگ اہمیت ہے۔ تھیوڈر ساوری نے ترجمے کی روایت سے ترجمے کے بارہ اصول اکٹھا کیے ہیں جن کا مترجمین جانے انجانے میں طور پر ترجمہ کرتے وقت استعمال کرتے ہیں۔ تخلیقی ترجموں میں مصنف کے اسلوب کی جھلک ہونی چاہیے۔ نیز تخلیقی ترجمے میں تہذیبی سانچوں کی منتقلی بھی اہمیت کے حامل ہوتی ہے۔ اردو کی لفظیات کے تین اہم ماخذات ہیں یعنی عربی فارسی اور ہندی۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت مترجمین کو چاہیے کہ وہ مترادف الفاظ و

اصطلاحیں مذکورہ تینوں ذرائع سے اخذ کریں یا وضع کریں۔تخلیقی ترجموں میں صنعتوں اور محاوروں کی کافی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ اشاروں کنایوں کی مدد سے بڑی بڑی باتیں بڑے مختصر اور موثر طریقہ سے کہہ دی جاتی ہیں۔

ہر لفظ کا اپنا ایک تیور ہوتا ہے۔ترجمہ کرتے وقت ان باریکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے۔لفظ تشریح طلب نہیں ہوتا جبکہ اصطلاح تشریح طلب ہوتی ہے۔اصطلاحوں کا ترجمہ اصطلاحوں میں ہونا چاہیے اور محاوروں کا ترجمہ،محاوروں میں ہونا چاہیے۔اس لیے مترجم کو فرہنگوں اور لغتوں پر عبور ہونا چاہیے۔مترجم کو وسیع المطالعہ ہونا چاہیے۔کیونکہ آج کی دینا میں تمام مضامین ایک دوسرے پر منحصر اور ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ترجمہ کے تین اہم میدان ہیں۔یعنی علمی ترجمہ،ادبی ترجمہ، صحافتی ترجمہ۔ان ہی تینوں میدانوں سے متعلق مواد کا ترجمہ کرتے وقت مترجمین ترجمے کی تینوں تکنیک یونی لفظی ترجمہ با محاورہ ترجمہ اور آزاد ترجمہ کی تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔

## 3.9 فرہنگ

| | | |
|---|---|---|
| تولید کار | : | پیدا کرنے والا |
| دبازت | : | موٹاپن،موٹائی جحم،نرمی |
| التزام | : | کسی بات کو لازم کرلینا،ضروری قرار دے لینا |
| حذف | : | گھٹانا،کم کرنا |
| کلیہ | : | جزئیہ کی ضد،عام قاعدہ،کالج،یونیورسٹی،تمام مال وکمال |
| مغائرت | : | غیریت،اجنبیت،بیگانگی |
| تلازمہ | : | مضمون کی رعایت سے الفاظ کا استعمال،رعایت لفظی |
| سقم | : | خرابی،عیب،نقص،بیماری |
| مراجع | : | واپس پھرنے والا،رجوع کرنے والا |
| اعلام | : | خبر دینا،آگاہ کرنا،جتلانا |
| کما حقہ | : | بہ خوبی،ٹھیک ٹھاک،جیسا کہ اس کا حق ہے |
| مشتق | : | نکلا ہوں وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو |
| عنقا | : | سیمرغ،ایک فرضی پرندہ،نایاب شئے |
| وسیع المطالعہ | : | بہت زیادہ مطالعہ کرنے والا |
| مصائب | : | مصیبت کی جمع،پریشانی،آفت،بلا |

## 3.10 نمونہ امتحانی سوالات

### معروضی جوابات کے حامل سوالات

(1) 'Translation' کا لفظ کس زبان سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(2) اردو اور فارسی میں 'ترجمے' کا لفظ کس زبان سے آیا ہے؟

(3) مندرجہ ذیل الفاظ کا اردو ترجمہ لکھیے:

School College Romance Train Report Match Box

(4) بیسویں صدی کے آغاز میں 'دارالترجمہ' کس یونیورسٹی میں قائم کیا گیا؟

(5) کتاب 'وضع اصطلاحات' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

### مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ لفظ اور عبارت کی ترجمے پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ مترجم کے بنیادی فرائض کیا ہیں۔

3۔ ترجمہ کے کسی ایک میدان پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

### طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ ترجمہ کیا ہے؟ تفصیل سے بحث کیجیے۔

2۔ تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصولوں سے بحث کیجیے۔

3۔ اصطلاح سازی کے اصولوں پر روشنی ڈالی۔

## 3.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1۔ | ترجمہ کا فن اور روایت | : | ڈاکٹر قمر رئیس |
| 2۔ | فن ترجمہ نگاری | : | ڈاکٹر خلیق انجم |
| 3۔ | ترجمہ: روایت اور فن | : | نثار احمد قریشی |
| 4۔ | روداد سیمینار: اردو زبان میں ترجمے کے مسائل | : | اعجاز راہی |

# اکائی 4۔ ترجمے میں لسانی اور ثقافتی رکاوٹیں

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 ترجمہ کیا ہے؟
4.3 لسانیات کیا ہے؟
4.4 ترجمہ اور لسانیات میں ترجمہ
4.5 ترجمے کے دوران لسانی رکاوٹیں اور ان کا ازالہ
4.6 ثقافت کیا ہے؟
4.7 ترجمہ اور ثقافت میں رشتہ
4.8 ترجمے کے دوران ثقافتی رکاوٹیں اور ان کا ازالہ
4.9 اکتسابی نتائج
4.10 فرہنگ
4.11 نمونہ امتحانی سوالات
4.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 4.0 تمہید

ترجمہ وہ عمل ہے جس سے دنیا کے علوم کے دروازے سب کے لیے کھل جاتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ ترجمے کے توسط سے دنیا کے علوم تک ہر کس و ناکس کی رسائی ممکن ہو جاتی ہے تو زیادہ درست ہوگا۔ عہد قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا کیونکہ جبلی طور سے انسان کی خواہشات ضروریات میں بدلتی رہتی ہیں اور ضروریات کی تکمیل کے لیے علم و آگہی ضروری ہے۔ انسان اپنی ساری ضروریات اکیلے پوری نہیں کرسکتا اسی لیے باہمی انحصار کا نظام معرض وجود میں آیا جو انسانی بقا اور ضروریات کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہے۔ چونکہ روز بروز مختلف طرح کی خواہشات ضروریات میں تبدیل ہوتی

جاتی ہیں لہٰذا ان کو پورا کرنے کے لیے انسان نے ابتدائی دنوں ہی سے مادی اور لسانی وسائل کا انتظام شروع کیا۔ جس کے لیے متعدد شعبہ جات معرض وجود میں آئے۔ کچھ شعبے علم و معلومات فراہم کرنے کے لیے وجود میں آتے ہیں تو کچھ ان پر عمل آوری کے لیے۔ اس طرح سے دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف قسم کی علمی، ادبی اور عملی کوششیں ہو رہی ہیں تاکہ بنی نوع انسان کی متنوع خواہشات و ضروریات پوری ہو سکیں اور کارِ دنیا جاری و ساری رہے۔

انسان دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہے۔ ہر جگہ کی اپنی آب و ہوا، جغرافیائی اور ارضیاتی خوبیاں ہوتی ہیں اور یہ اس علاقے میں بسے سماج کی خوبیاں طے کرتی ہیں اور یہ خوبیاں وہاں کی بولی، زبان اور طرزِ زندگی کا تعین ہی نہیں کرتیں بلکہ ان میں مخصوص رنگ بھی بھرتی ہیں۔ اس طرح سے دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے لوگوں کی زبان اور تہذیب و ثقافت مختلف ہوتی ہیں۔ یہ لسانی اور تہذیبی ثقافتی رنگا رنگی اندورونی انسانی یکسانیت میں بیرونی تنوعات پیدا کرتی ہیں اور یہی بیرونی لسانی اور ثقافتی تنوعات یا نیرنگیاں ترجمہ کے دوران رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح سے ایک طرف انسانیت پر مبنی لسانی وثقافتی ساخت میں اندرونی آفاقیت پائی جاتی ہیں تو دوسری طرف علاقائیت پر مبنی، لسانی وثقافتی ساخت میں بیرونی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ چونکہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں بجنسہٖ منتقل کرنے کا عمل ہے۔ لہٰذا انسانیت پر مبنی لسانی وثقافتی ساخت میں اندورونی آفاقیت کے باوصف ترجمہ ممکن ہو پاتا ہے لیکن علاقائیت پر مبنی لسانی وثقافتی ساخت میں بیرونی رنگا رنگی کے سبب رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ زیرِ نظر اکائی میں ترجمے کے عمل کے ممکنات اور ان میں حائل رکاوٹوں اور ان کے ازالے کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

## 4.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ☆ ترجمے کے فن کے بارے میں واقفیت حاصل کرسکیں۔
- ☆ زبان و لسانیات اور ثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں۔
- ☆ ترجمہ اور زبان و لسانیات میں رشتے سے واقف ہوسکیں۔
- ☆ ترجمے کے عمل میں لسانی رکاوٹوں اور ان کے ازالے سے واقف ہوسکیں۔
- ☆ ترجمہ اور ثقافت کے مابین رشتے سے واقف ہوسکیں۔
- ☆ ترجمے کے عمل میں ثقافتی رکاوٹوں اور ان کے ازالے سے واقف ہوسکیں۔

## 4.2 ترجمہ کیا ہے ؟

لفظ ترجمہ اردو فارسی میں عربی زبان سے آیا ہے جو ترجُم سے مشتق ہے۔ لغت نویس اس کے کم سے کم چار معانی درج

کرتے ہیں۔مواد کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی ،تفسیر وتعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کے احوال کا بیان۔

چونکہ لفظ ٹرانسلیشن (Translation) اردو لفظیات کا جز ولاینفک ہو گیا ہے۔لہٰذا اس کے بارے میں بھی گفتگو مناسب ہوگی۔لفظ ٹرانسلیشن مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں''پار لے جانا'' مندرجہ بالا تمام پہلو باہم مربوط ہیں۔

کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں بجنسہ منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی زبان میں پیوست متن کو اس کی تفہیم وتعبیر کرتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ہے۔یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی وادبی پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہیں۔

ترجمہ ایک ایسا پیچیدہ اور مشکل تاہم عہد ساز اور تہذیب ساز دانشورانہ عمل ہے جس کے ذریعے کسی تحریر کو اس کی اصل زبان سے جملہ خصوصیات کے ساتھ کسی دوسری زبان میں کچھ اس طرح سے منتقل کرنے کا نام ہے جس کے باوصف ترجمے کی زبان میں اصل تحریر دوبارہ اپنی اصل صوری اور معنوی شکل میں آجائے۔

ترجمہ کرتے وقت مترجم ایک قسم کی گمنامی اپنا لیتا ہے یعنی اپنے آپ کو درمیان سے ہٹانے کا جتن کرتا ہے اور اصل مصنف کو اپنے عہد میں بولنے کا موقع فراہم کرتا ہے لیکن اس سے ہوتا یہ ہے کہ ترجمے کے عمل کے دوران ماضی کی اس آواز میں مترجم کے اپنے عہد کی آواز بھی خاموشی سے شامل ہو جاتی ہے۔حاضری اور غیر حاضری کا یہ دہرا کردار ان مشہور تراجم میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے جہاں ایک سے زائد مترجمین نے مل کر کام کیا ہے یا ایک تصنیف کا ترجمہ کئی لوگوں نے کیا ہے۔اس بات کا اگر اندازہ لگانا ہو تو ارسطو کی Poetics کے تین تراجم یعنی بوطیقا (عزیز احمد)، شعریات (از شمس الرحمان فاروقی)، شعریات (جمیل جالبی) کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔ترجمہ کے دوران مترجم کو آمد سے آورد سے آورد اور پھر آورد سے آمد تک کا سفر طے کرنا پڑتا ہے تب جا کر کہیں ترجمے کے آرٹ وکرافٹ کو تابناکی نصیب ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ترجمے کے دوران مترجم کو احساس خودی کے حصار سے نکل کر رموز بے خودی کے خیاباں میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

مترجم ایک پابند شخص نہیں ہوتا بلکہ ایک پابند فنکار ہوتا ہے۔اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مترجم ایک ایسا کردار ہے جو خارج کے مصنف کے ساتھ ساتھ داخل کے مصنف کو بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔ترجمے کا عمل اس قدر پیچیدہ اور پر اسرار ہوتا ہے کہ ایک فنکار کی شخصیت دوسرے فنکار کی شخصیت میں حلول کر جاتی ہیں۔مترجم کا کام دراصل آرٹ وکرافٹ کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔اس کی دو صفات انتہائی قابل تحسین ہوتی ہیں یعنی ایک تو وہ مصنف کا دل سے احترام کرتا ہے اور دوسرا بطور مترجم وہ انتہائی دیانت داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تخلیقی عمل کے لیے مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ اور فنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔جذبات واحساسات کی شدت سے متصف تخلیق کار کو ایک تخلیقی کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔تب جا کر کہیں آمد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔اسی نوعیت کے ترجمے کو تخلیقی ترجمہ کہا جاتا ہے جس میں زبان وبیان، اسلوب اور فن کی نزاکتوں اور لطافتوں کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔علوم کا ترجمہ

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY Estd. 1998

کرتے وقت بھی تخیل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ تخیل میں پرواز کرکے مماثلات اور مترادفات تلاش کرنے پڑتے ہیں۔

ہر لفظ اپنے آپ میں کائنات معانی رکھتا ہے۔لفظوں کو آپس میں جوڑنے سے جملے کی ساخت بنتی ہے۔ جملے کے الفاظ بعض اوقات ایک دوسرے سے مل کر نئے معنوی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔ بعد ازاں پوری تحریر میں ایک فضا کی تعمیر ہوتی ہے۔لہٰذا بیشتر ترجموں میں ترجمہ محض لفظ کا نہیں ہوتا۔جملوں کی ساخت،معنوی نظام وآہنگ نیز اسلوب کی زیریں لہروں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔اس سے زبان کی معنوی اور اظہاری جہتوں میں اضافہ ہوتا ہے نیز اس میں تنوع کے ساتھ ساتھ انفرادیت بھی پیدا ہوتی ہے۔معیاری ترجمہ اور مترجم دوسری زبان کے لفظوں کے جادو کو بھی اپنی لفظیات میں جگانا چاہتا ہے۔فقروں کی ساخت اور اسلوب کے جوہر کو منتقل کرتے وقت وہ خود اپنی زبان کو نئے معنی وآہنگ،نئی وسعتوں،اظہار کی نئی صورتوں اور جملہ خصوصیات سے آشنا کرتا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ مترجم مطالعہ کا اعلیٰ ذوق رکھتا ہو اور تخیل کی بلند پرواز رکھتا ہو تا کہ وہ ترجمہ کے دوران اصل مصنف کے مافی الضمیر کو ادا کر سکے اور زبان اور اسلوب کے شانہ بشانہ چل سکے۔

## 4.3 لسانیات کیا ہے؟

موضوع کے تقاضے کے پیش نظر یہ مناسب لگتا ہے کہ زبان سے متعلق کچھ گفتگو کر لی جائے کیونکہ لسانیات دراصل زبان کے صوری اور معنوی ڈھانچوں کا سائنسی مطالعہ ہے۔علاوہ ازیں ترجمے کے عمل کے دوران سب سے پہلے دوزبانوں کی موشگافیوں اور ان میں پیوست معانی ومفاہیم ہی سے مترجم کو نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔

زبان ایک ایسے خود اختیاری اور روایتی صوتی علامتوں کے نظام کو کہتے ہیں جو کوئی انسان اپنے سماج میں اظہار خیال کے لیے استعمال کرتا ہے۔لسانیات میں زبان ایک خاص معنی میں استعمال ہوتی ہے۔زبان دراصل آوازاں یا اصوات کا مجموعہ اور ان کی بامعنی ترتیب ہے۔زبان خیالات کا ذریعۂ اظہار ہے۔اس کا کام یہ ہے کہ لفظوں اور فقروں کے توسط سے انسانوں کے ذہنوں میں پنپ رہے معانی ومفاہیم دلائل وبراہین اور خیالات واحساسات کی ترجمانی کرے۔اس ترجمانی میں وہ جسمانی حرکات بھی شامل ہیں جو کسی مفہوم کو سمجھانے کے لیے خاص خاص زبان بولنے والوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں۔تاہم خیالات کی ترجمانی کے لیے قوت گویائی ہی ایک مکمل ترین اور سب سے زیادہ واضح ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اسی بنا پر یہ مقولہ عام طور پر رائج ہو گیا ہے کہ ''قوت گویائی ہی انسان اور حیوان کے درمیان باعث امتیاز ہے''۔پس زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات واحساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہے اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے۔

زبان کی یہ خاصیت نہایت اہم ہے کہ وہ صرف انسان ہی کو حاصل ہے اور جاہل سے جاہل بلکہ وحشی سے وحشی قبیلوں کے انسان بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔زبانوں کی تشکیل اور ان کا ارتقا براہ راست انسانی خیالات کی تشکیل اور ارتقاء پر منحصر ہے۔یہی وجہ ہے کہ فہمِ انسانی اور نطق انسانی کے نفسیاتی قوانین بھی ایک دوسرے سے بالکل متعلق ہوتے ہیں۔زبان اور

انسانی غور وفکر کا تعلق چولی دامن جیسا ہے۔قوتِ گویائی اور دماغ کے درمیان دنیا و ما فیہا کے پس منظر میں مستقل تعامل ہوتا رہتا ہے،جس کے باوصف نہ صرف قوت گویائی زبان میں بدلتی ہے اور دماغ ذہن میں بدلتا ہے بلکہ علامہ اقبال کی زبان میں ''تو شب آفریدی چراغ آفریدم'' کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔سوچنا دراصل اپنے ذہن میں گفتگو کرنا ہے اور زبان اس اندرونی گفتگو کی ترجمانی کرتی ہے۔اس کو شکل عطا کرتی ہے اور موہوم ذہنی پیکر تراشیوں کو واضح اور معین کرتی ہے۔اس طرح زبان ارادتاً پیدا کی گئی من مانی صوتی علامات کا ایک نظام ہے جس کے ذریعے ایک انسانی گروہ کے افراد اپنے خیالات اور جذبات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔انسان درد میں چیختا اور خوشی میں ہنستا ہے لیکن یہ اضطراری آوازیں زبان کا جز ونہیں۔ صرف ارادی آوازیں ہی زبان کہلاتی ہیں۔

لسانیات دراصل عربی لفظ لسان سے مشتق ہے جس کے معنی انسان کی فطری زبان اور ترسیل کا سائنسی مطالعہ ہے جو نہ صرف ایک دلچسپ میدان ہے بلکہ روز بروز اس میں وسعت بھی آتی جارہی ہے۔یہ شعبۂ علم اتنا اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اس کی اہمیت وافادیت کو شعبۂ تعلیم ، بشریات ، سماجیات ، تدریس زبان ، ادارکی نفسیات ، فلسفہ، کمپیوٹر سائنس اور علم الاعصاب (Neuro-Science) کے میدانوں میں محسوس کیا جارہا ہے۔

لسانیات میں تقریری یا ملفوظ زبان پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ ماہرلسانیات یا لسانیات کا طالب علم تجویزی اصول (Prescriptive Rules) کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتا بلکہ مستعمل زبان کا تجزیہ کر کے توضیحی اصول(Descriptive Rules) پیش کرتا ہے۔یعنی وہ اصول پیش کرتا ہے جو کسی لسانی برادری کی اصل زبان کی تفہیم میں مددگار رہتا ہے۔ ماہرین لسانیات اس بات پر زور نہیں دیتا کہ زبان کیسی ہونی چاہیے یا کیسے بولی جانی چاہیے۔توضیحی اصول زبان کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں تعمیمات (Generalisations)اور قاعدگیاں (Regularities) منظر عام پر لاتا ہے۔اس طرح سے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زبان اصول وقواعد کے ماتحت ہوتی ہے تو اس سے ہم دراصل یہ مراد لیتے ہیں کہ انسانی زبان کے مطالعے سے زبان کی ساخت اور اس کے کام میں متعدد تعمیمات اور باقاعدگیاں منظر عام پر آتی ہیں۔لسانیات سے متعلق ایک بات مزید اہم ہے کہ ماہرلسانیات یہ مان کر چلتے ہیں کہ انسانی زبانیں ساخت اور کام کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہیں۔

ماہرلسانیات یہ فرض کر لیتے ہیں کہ انسانی زبان کا عمومی مطالعہ ممکن ہے کہ اور کسی مخصوص زبان کا مطالعہ ان پہلوؤں کو اجاگر کرے گا، جو آفاقی ہوں گے۔ بظاہر زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں لیکن اگر آپ ان کے ڈھانچے کا باقاعدہ ساختیاتی مطالعہ کریں تو آپ کو یہ اندازہ بخوبی ہو جائے گا کہ وہ اندرونی طور سے ایک دوسرے سے کتنا قریب ہیں۔سبھی زبانوں میں سوال کرنے ،گزارش کرنے ،دعویٰ کرنے اور دلیل پیش کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے پیش کرنے کی قوت کسی خاص زبان میں ہونہ ہو۔یہ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص زبان میں کسی خاص بات کے اظہار کے لیے الفاظ اور اصطلاحات موجود ہوں جب کہ دوسری زبان میں نہ ہوں لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ دوسری زبان میں الفاظ سازی اور اصطلاحات سازی کی قوت وصلاحیت نہ ہو۔

سبھی زبان میں جملے پائے جاتے ہیں اور سبھی زبانوں میں جملے فقروں سے ترتیب پاتے ہیں اور فقرے لفظوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور الفاظ مضمر با معنی آوازوں کی مخصوص ترتیب سے تشکیل پاتے ہیں۔ جب ماہر لسانیات فطری انسانی زبان کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تو وہ اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے کہ انسانی زبانیں دراصل ساخت اور کام کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہیں اور مخصوص لسانی آفاقی اصولوں سے مطابقت رکھتی ہیں۔ بہت سے ماہر لسانیات ہیں جن کا ماننا ہے کہ لسانیات کا حتمی مقصد صرف یہ سمجھنا نہیں ہے کہ زبان کیسے تشکیل پاتی ہے اور کیسے کام کرتی ہے بلکہ جیسے جیسے ہم انسانی کے زبان کو سمجھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ہم انسان کی فکری عمل کو سمجھتے جاتے ہیں۔ لسانیات کے مطالعے کے مقصد کی توسیع یہاں تک ہو چکی ہے۔ اس طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زبان کے مطالعے کا مقصد اب انسانی دماغ کے مطالعے تک پہنچ چکا ہے۔

لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے زبان کی ماہیئت، تشکیل، ارتقاء، زندگی اور موت کے متعلق آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ لسانیات کا مقصد زبانوں کا تجزیہ، ان کی تاریخ، ان کے باہمی نقاط ارتباط، ان کی معنوی ساخت اور ان کی ظاہری تقسیم وگروہ بندی پر غور وخوض کرنا ہے۔ ماہر لسانیات لفظوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھتا ہے کہ تا کہ معلوم کر سکے کہ وہ کن اجزا سے مرکب ہے اور ان اجزاء کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔

زبان لسانیات کی اصطلاح میں وہ ملفوظ یا تقریریں آوازیں ہیں جو انسان اپنے منہ سے قصداً ادا کرتا ہے اور ان کے ذریعے وہ اپنے مافی الضمیر کو دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ان آوازوں کو جب ہم حروف کی مدد سے قلم بند کر دیتے ہیں تو ایسی قلم بند کی ہوئی تحریروں کو بھی زبان کا نام دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک علم زبان لسانیات کا تعلق ہے تو اس کا موضوع تحریر نہیں بلکہ انسان کی بول چال کی زبان ہے۔ ماہرین لسانیات نے زبان کی تین صورتیں گنائی ہیں۔ (1) اشاراتی زبان (2) ملفوظ زبان اور (3) تحریری زبان۔ زبان کی ان صورتوں کو زبان کے ارتقاء کے تین مدارج بھی کہا گیا ہے۔ تکلمی آوازوں کے ذریعے خیالات کو ظاہر کرنے کو زبان کہتے ہیں۔ زبان ظہار اور تبادلہ خیال کا مکمل ذریعہ ہے۔ زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں جن کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ زبان کو ایک سمجھوتہ اس لیے جاتا ہے کہ الفاظ اور ان کے معنوں میں تعلق رسمی ہوتا ہے۔

کسی زبان کے بولنے والے کو ایک خاص لفظ سے خاص شئے ظاہر ہوتی ہوئی اس لیے لگتی ہے کہ اس کے بولنے والے یہ مانتے ہیں کہ یہ مفہوم اس میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر درخت کے لفظ کو لیجئے اردو اور فارسی والے اس لفظ میں ان معنوں کی موجودگی کو مانتے ہیں لیکن قدیم ہندوستانی میں اسے ''ترور'' کہتے ہیں، انگریزی میں اس کو ''ٹری'' کہتے ہیں جبکہ جرمن میں ''باوم''، لاطینی میں ''آربر''، روسی میں ''مینڈس''، عربی میں ''شجر'' اور عبرانی میں ''ایلانہ'' کہتے ہیں۔

دنیا میں بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان میں جو سب سے بڑا فرق ہوتا ہے وہ آوازوں اور ان کی مخصوص ترتیب کا ہے۔ ایک ہی چیز مختلف زبانوں میں مختلف لفظوں سے ظاہر کی جاتی ہے۔ اس فرق کا بڑا سبب اس کی آب وہوا، سماجی حالات اور لسانی گروہوں کی اپنی بناوٹ اور ان کی طبعی خصوصیات ہوتی ہیں۔ ان کا تصور، روپ اور مفہوم کے بغیر ذہن میں

نہیں آ سکتا۔ اس لیے زبان کے بارے میں مطالعہ کرتے ہوئے ہم کو روپ اور مفہوم کے اس دوہرے پن کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زبان کی تین قسمیں ہیں ۔

(1) اشارتی زبان (2) تقریری یا ملفوظ اور (3) تحریری زبان۔

اشاراتی زبان کی تین قسم ہوتی ہے۔

(1) بصری (2) سمعی (3) لمسی۔

بصری اشارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھا جا سکتا ہے ۔ عام آدمیوں کے علاوہ گونگے اور بہرے آدمی کے لیے بصری اشارے ہی کارگر ہوتے ہیں ۔سمعی اشارے عام آدمی کے علاوہ نابینا آدمی کے لیے بھی کارگر ہوتے ہیں ۔ جہاں تک لمسی اشارے کی بات ہے تو اس کا اشارے سبھی زندہ آدمیوں کے لیے کارگر ہوتے ہے۔ لمسی اشارے کے تعلق سے حسرت کا شعر ملاحظہ کیجیے:

بزم اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ رہے
ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا

اشارے کو الفاظ کی نسبت یہ فوقیت حاصل ہے کہ ایک ہی جنبش پورے کلام کو ظاہر کر سکتی ہے۔لیکن اس کے باوجود اشارے صوتی زبان کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہیں ۔ ان کی دنیا بہت محدود ہے ۔ یہ روزانہ زندگی کی چند خیالات و جذبات تو ادا کر سکتے ہیں لیکن بیشتر تصورات و تجربات ان کی گرفت کے باہر ہے۔ایک خیال یا تجربے کے اظہار کا کوئی بھی باہمی طور سے متفقہ روپ دراصل ایک قسم کا رمز (Code) کا ہوتا ہے۔ اس رمز کو آنکھ، کان یا لمس سے محسوس کیا جاتا ہے اور دفعتاً ہمارا ذہن اس تصور کو گرفت میں لے لیتا ہے ۔ اس تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ان علامات کو استعمال کرنے والے دونوں فریقوں کے ذہن ان سے یکساں مفہوم مراد لیتے ہوں۔

لسانیات میں انسان کے اعضائے تکلم سے ادا کی جانے والی آوازیں ہی اہم ہوتی ہیں ۔ زبان کی ایک دوسری خاصیت یہ ہے کہ یہ خود اختیاری ہوتی ہے ۔ زبان میں شامل آوازوں کے مربوط سلسلے سے جو شکلیں بنتی ہیں ان میں اور ان کے معنی میں کوئی فطری یا منطقی تعلق نہیں ہوتا ۔ یہ تعلق اگر منطقی یا فطری ہوتا تو دنیا کی تمام زبانوں میں کوئی فرق نہ ہوتا بلکہ سبھی زبانیں ایک جیسی ہی ہوتیں ۔

آوازوں کی ترتیب اور ان کے معنی میں جو تعلق ہوتا ہے وہ ہر زبان میں رواجی ہوتا ہے۔مثال کے طور پر انگریزی میں Pain کے معنی دکھ درد کے ہیں جب کہ فرانسیسی میں اسی لفظ کے معنی روٹی کے ہیں ۔ اسی طرح سے اردو میں خلافت کے معنی نیابت ،خلیفہ کا عہدہ نبی یا پیری جانشینی کے ہیں جبکہ ہندی والے خلافت لفظ کو مخالفت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اردو میں خلاصہ کے معنی نچوڑ اور لب لباب کے ہیں جبکہ ہندی والے انکشاف کے معنی مراد لیتے ہیں علاوہ ازیں اردو میں قواعد

کے معنی گرامر کے ہیں جبکہ ہندی والے کوشش کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ایک دوسری نوعیت کی مثال لفظ " آگ " کی ہے جس کے معنی آتش یا جلن کے ہیں لیکن اس لفظ اور اس کے معنی میں تعلق محض رواجی ہے ایسا نہیں ہے اس لفظ کے تلفظ سے زبان جل جاتی ہے۔دراصل جس زبان کا وہ لفظ ہے اس کے بولنے والے آپس میں ایک غیر تحریری معاہدہ رکھتے ہیں کہ اس لفظ سے یہ معنی سمجھ جائیں گے۔لسانیات کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں صرف انسانی آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔زبان کے سائنسی مطالعے میں بنیادی اکائیاں مضمر با معنی آوازیں ہی ہوتی ہیں۔

لسانیات وہ علم ہے جس میں زبان کی اندورونی ساخت کے رموز کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ ساخت دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ان میں سے ایک آواز ہے۔ہر قسم کا شور و شغب جو انسان کی صوتی آلات سے پیدا ہوسکتا ہے وہ کسی نہ کسی زبان میں کسی نہ کسی طرح سے استعمال ہو جاتا ہے۔دوسرے وہ تصورات،ساجی صورتِ حال،انسانی وجود کے بارے میں حقائق یا قیاسات اور وہ چیزیں ہیں جن سے انسانی ذہن متاثر ہوتا ہے اور جنہیں وہ دوسرے اشخاص تک پہچانے کی کوشش کرتا ہے۔ان دونوں کو بیان اور مضمون سے موسوم کیا جاتا ہے۔ہر زبان آوازوں کا ایک خود مختارانہ نظام ہے۔جہاں تک زبان کا لسانیات سے تعلق کا معاملہ ہے تو اس کے تین اجزاء ہیں یعنی بیان کی ساخت،مضمون کی ساخت اور ذخیرۂ الفاظ۔

ذخیرۂ الفاظ میں اخذ و ترک کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔یہ حصہ سب سے زیادہ غیر مستعمل ہوتا ہے۔ذخیرۂ الفاظ میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔الفاظ وجود میں آتے رہتے ہیں اور استعمال سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور صرف تحریر میں باقی رہ جاتے ہیں۔ان کے وجود سے تحریر کے زمانے کا تعین ہوتا ہے۔کچھ الفاظ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پائیدار اشیاء ہیں جن کی پیدائش،ارتقاء،زوال اور فنا کی تاریخ پر لطف ہوتی ہے اور جو طرح طرح کے پر لطف اور عجیب و غریب طریقوں سے انسانی اذہان و قلوب کی بعض نامعلوم پرتیں کھلتی ہے اور پُر اسرار معلومات فراہم کرتی ہے۔قدیم قوموں کے عادات و اطوار رسم و رواج کی نسبت معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ قدیم زبان ہے جس کے پراگندہ نمونے ان قوموں کے باقی ماندہ افراد کے سینوں میں صدیوں بعد تک محفوظ رہتے ہیں اور جو لسانیات کی مدد سے منضبط اور منظّم ہو کر تشریح حاصل کرتے ہیں۔

لفظوں کی تشکیل میں انسانی ذہن اور قوت متخیلہ نے بہت اہم رول ادا کیا ہے۔لفظ اپنی پیدائش کے لحاظ سے انسان کا ایک خود اختیاری یا روایتی اشارہ ہے۔دنیا کی کسی زبان میں نہیں دیکھا گیا کہ کوئی ایک لفظ ہمیشہ کے لیے صرف کسی ایک ہی خیال کا ایک خود اختیاری یا روایتی اشارہ ہے۔دنیا کی کسی زبان میں نہیں دیکھا گیا کہ کوئی ایک لفظ ہمیشہ کے لیے صرف کسی ایک خیال کے لیے وقف ہو گیا ہو۔تمام الفاظ اپنی قدر و قیمت میں موقع محل اور امتداد زمانہ کے لحاظ سے تبدیلی حاصل کرتے رہتے ہیں۔غالب کے درج ذیل اشعار میں کوئی کے علاوہ کچھ کے بھی لیے گئے ہیں۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور　　تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو میں گے　　کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

زبان کے سائنسی مطالعے کے پس پشت متعدد وجوہ کارفرما ہیں۔پہلی زبان کے متعدد تشکیلی عناصر کا مطالعہ اور ان

عناصر کی ترتیب وتنظیم کی تشخیص ہے۔ دوسری وجہ تاریخی اعتبار سے زبان کے آغاز وارتقا کا مطالعہ ہے۔ تیسری وجہ کسی فرد میں مضمر قوت گویائی کا بتدریج عملی ارتقاء کا تجزیہ ہے۔ چوتھی وجہ فکری عمل میں زبان کے استعمال کے طریقہ کار کا مطالعہ ہے۔ پانچویں وجہ سماجی تعامل میں زبان کے استعمال کے فن کا مطالعہ ہے۔ چھٹی وجہ انسانی ذہن وشخصیت کے عکاس کے طور پر زبان کا مطالعہ ہے۔ مجملہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان بڑے گہرے اور معنی خیز طریقے سے انسانی ذہن اور کائنات کے درمیان مسلسل تعامل کی عکاس ہے اور حیاتیاتی طور سے انسانی ذہانت کی پیداوار ہے اور ہر فرد میں اس کے ذہن اور کائنات کے درمیان مسلسل تعامل کا ذریعے از سر نو تخلیق پاتی ہے۔

## 4.4 ترجمہ اور لسانیات میں رشتہ

اس سے قبل ترجمہ اور لسانیات کے موضوعات پر الگ الگ قدرے تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں پر مختصراً تحریر کر دینا مناسب ہوگا کہ کسی زبان کے تانے بانے میں رچے بسے موضوع و مواد کو کسی دوسری زبان کے تانے بانے میں بجنسہ منتقل کرنے کے عمل کو ترجمہ کہتے ہیں جب کہ کسی زبان کی صوری اور معنوی ساخت اور اس کے متنوع اجزاء کے سائنسی مطالعے کو لسانیات کہتے ہیں۔ یہاں سے ترجمہ اور لسانیات کے درمیان پختہ رشتے کی شروعات ہوتی ہے۔

چونکہ ہر زبان کا اپنا ایک ادب ہوتا ہے اور اس کی ایک ثقافت ہوتی ہے اور ان تینوں کا تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ ہر زبان کا ادب اس مخصوص زبان کے ساخت سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا ادب پارے کے ترجمے کے دوران زبان کی لسانیاتی تفہیم بہت مددگار ہوتی ہے۔ مثلاً آوازوں کی ایک خاص ترتیب جمالیاتی کیفیت و تاثر پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح مصنف کی لفظیات اور اس کی قواعدی ساخت اس کے اسلوب کو متعین کرتی ہے۔ آوازوں اور ذخیرۂ الفاظ کے انتخاب کی نوعیت کے مطالعے کو ہم اسلوبیاتی مطالعہ کہتے ہیں۔ ترجمے کے دوران ہم اسلوب اور کیفیت و تاثیر کی منتقلی کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ مخصوص زبان کے مواد کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم متعلقہ زبانوں کے آپس لسانی فرق کو مختلف سطحوں پر جانچیں پرکھیں اور ان کے باہمی فرق کو متعین کریں۔ اس کے بعد لفظی اور معنوی فرق کے ازالے کے لیے حل تجویز کریں جو اس کے بعد کے حصے میں کیا گیا ہے۔ لسانیات کی ایک نئی شاخ اسلوبیات ہے۔ اس میں دریافت کیا جاتا ہے کہ کن آوازوں اور اجزائے الفاظ کی تکرار اور کمی بیشی سے اسلوب میں جان پڑتی ہیں۔ اس شعبۂ علم کے توسط سے کسی شاعر یا انشاپرداز کا اسلوب محض ذوقی نہیں رہ جاتا بلکہ اس کے ہیئتی تجزیے میں بعض اصولوں کی کارفرمائی دریافت کی جاسکتی ہے۔ اس لیے لغت، صرف، نحو، معانی و بیان اور اصطلاحات پر ہر زمانے میں کافی توجہ دی گئی ہے۔ لسانیات کے ماہرین نے لفظ ولگات کو ایک پہلو سے پرکھا اور انہیں تعبیر وتطہیر کے ذریعے زیادہ بہتر بنایا۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

ترجمے کے دوران اس بات کا خیال رکھا جانا چاہیے کہ جس تحریر کا ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کے لکھنے والے نے کس لفظ پر زور دیا ہے۔ اس کا محلِ استعمال کیا ہے، کہاں پر طنز یا مزاح پیدا کیا گیا، کہاں پر لہجہ استفہامیہ ہے اور کہاں پر فجائیہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہاں پر محاورے یا روزمرہ کے استعمال سے مفہوم میں ایک خوبی پیدا کی گئی ہے یا نکتہ آفرینی کی خاصیت ملتی ہے۔

دنیا کی کسی بھی زبان میں کوئی دو الفاظ ایسے نہیں ہو سکتے جو معنی کے اعتبار سے مکمل طور پر ایک دوسرے کے مترادف ہوں۔ ہر دو الفاظ میں معنوی اور صوری طور پر اضافی پہلو کا فرق پایا جاتا ہے مثلاً ننگا، برہنہ اور عریاں اور انگریزی میں Aspire, desire, wants۔مزید برآں کسی زبان کے ہر لفظ کا دوسری زبان میں ہر اعتبار سے مکمل مترادف ملنا نایاب ہے۔مترجم قریب المعانی الفاظ استعمال کرتا ہے جو ظاہر ہے کہ ترجمہ کو اصل سے کچھ نہ کچھ دور ضرور کر دیتا ہے۔مترجم کو دونوں زبانوں پر قدرت ہونی چاہیے۔دونوں زبانوں میں لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہونی چاہیے اور دونوں زبانوں کا پہلودار علم ہونا چاہیے۔زبان کے پہلودار علم سے مراد یہ کہ زبان جہاں جہاں سے سیراب ہوئی ہے ان سرچشموں کا اور زبان کے نشیب وفراز کا علم ہو۔الفاظ کہاں سے آئے۔کیوں کر آئے۔ان کے لغوی معنی اصل زبان میں کیا تھے۔ماخوذ ہونے پر ان میں کیا فرق آیا۔اصطلاحی معنی کیا ہو گئے اور کیا کیا ہو سکتے ہیں۔ایک لفظ ایک مضمون میں صرف ایک لفظ کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ وہی لفظ کسی دوسرے مضمون میں اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی لفظ مختلف زبانوں میں مختلف معانی ومفاہیم میں استعمال ہوتے ہیں۔مثلاً لفظ 'مار' کے معنی فارسی میں 'سانپ' کے ہوتے ہیں جب کہ اردو میں 'ضرب' کے ہوتے ہیں اور انگریزی میں 'Mar' کے معنی بگاڑنے کے ہیں اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ہندی میں لفظ خلافت بمعنی مخالفت استعمال ہوتا ہے۔خلاصہ بمعنی انکشاف اور قواعد بمعنی کوشش کے استعمال ہوتا ہے، جب کہ اردو میں تینوں کا استعمال بالکل مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ اوپر ذکر آیا ہے کہ ایک لفظ ایک مضمون میں صرف ایک لفظ کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ کسی دوسرے مضمون میں وہی لفظ اصطلاح کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔مثلاً انگریزی لفظ Analogy کے معنی منطق میں تمثیلی اور ادب میں مماثلت اور تمثیل کے ہوتے ہیں جب کہ وہی Analogy لسانیات میں اصطلاح کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے جس کے معنی موجودہ الفاظ کی مثال پر نئے الفاظ وضع کرنا ہوتے ہیں۔یہاں پر یہ واضح کرتا چلوں کہ دراصل لفظ اطلاع فراہم کرتا ہے جب کہ اصطلاح میں تصور مضمر ہوتا ہے۔لفظ تشریح طلب نہیں ہوتا جب کہ اصطلاح تشریح طلب ہوتی ہے۔جس طرح سے امتداد زمانہ الفاظ عدم استعمالیت کے سبب متروک ہوتے جاتے ہیں بعینہ علم وتصور کی نشر واشاعت اور ان کے مقبول عام ہونے کے باوصف اصطلاحیں الفاظ کا درجہ حاصل کرتی جاتی ہیں۔

ایک صورت لفظ کی دبازت اور تہہ داری ہے۔مثلاً اردو لفظ فرمائش کا انگریزی میں کوئی متبادل نہیں ہے کیونکہ لفظ فرمائش معنوی دبازت اور تہہ داریت کے لحاظ سے خواہش اور گزارش کا حامل ہے۔اسی طرح سے انگریزی لفظ Serious میں کم از کم چار معانی پوشیدہ ہے۔سنجیدہ، سنگین اہم اور نازک۔جب یہ لفظ کسی تحریر میں آے تو مترجم کو یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ لفظ کس مخصوص معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کا اندازہ جملے کے معنوی سیاق سے ہو جائے گا۔ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لفظوں کو روزمرہ کے طور پر کیوں استعمال کیا جانے لگا اور محاورہ جو لفظوں کے مجموعے اور منجملہ نئے معنی کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ کیوں کر بنا اور محوروں کی اہمیت وافادیت کیا ہے۔

شاعری کے ترجمے کے تعلق سے ترجمے اور لسانیات میں یہ رشتہ ہوتا ہے کہ مترجم کو سب سے پہلے شعر کے ظاہری یا لفظی معنوں کو سمجھنا ہوتا ہے پھر اس کے داخلی مفہوم تک رسائی حاصل کرنی ہوتی ہے اس کے لیے مترجم کو اس شاعر کا مزاج اس کے مواد اس کی نفسیاتی ذہنی کیفیت اور اس کے خیالات ونظریات کا بھی اندازہ لگانا ہوتا ہے۔ پھر اس شعر کی فنی خوبیاں بھی دیکھنی ہوتی ہیں کہ الفاظ اور تراکیب کس فنکارانہ طریقے سے استعمال ہوتی ہیں۔ کون سا لفظ کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ کس تشبیہہ کی مدد سے شعر میں کون سا حسن اور تاثر پیدا کیا گیا ہے۔ کس لفظ، محاورے نے شعر کو تہہ داری عطا کی ہے یا ذو معنویت یا کثیر معونیت بخشی ہے اور کیا ترجمہ اس کی تہہ داری یا ذومعونیت یا کثیر معنویت کو منتقل کرنے میں کامیاب ہو پایا ہے۔

یہ ایسے پہلو ہیں جن کا خیال رکھنا مترجم کے لیے اشد جروری ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان علامتوں، استعاروں اور پیکروں کے نظام کو بھی جوں کا توں قائم رکھنا پڑتا ہے۔ جسے شاعری فکر نے تعمیر کیا تھا۔ مزید آں اس بات کا بھی دھیان رکھنا پڑتا ہے کہ اس میں مراد شاعر کیا ہے۔ پھر لفظ و معنی کا جھگڑا بھی شاعری کے ساتھ لگا ہوا ہے جس سے ایک مترجم کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے کیوں کہ شاعری میں ایک لفظ محض اپنے لغوی معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ استعاراتی شکل اختیار کر کے خیال اور معنی کی پوری دنیا پر چھا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو لفظ کے لغوی معنوں میں گم ہو جاتے ہیں شاعری کے اصل مفہوم سے دور چلے جاتے ہیں اور ترجمے کی ذمہ داری بحسن وخوبی نہیں نبھا پاتے۔

ہر تحریر میں مختلف کمیت وکیفیت کے ساتھ معنی کے چار مختلف پہلو پائے جاتے ہیں۔ پہلا پہلو مفہوم کا، دوسرا احساس کا، تیسرا لہجے اور چوتھا پہلو غرض وغایت یا نیت کا ہوتا ہے۔ ان پہلوؤں کی تفہیم کے لیے لسانیات کی ایک شاخ معنیات ہے جس میں اس بات کا سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ معنی کیا ہے اور اس کے تشکیلی اجزاء کیا ہیں۔ ان اجزاء کے آپسی تعلق میں فرق لانے سے معنی کے ان پہلوؤں کی نوعیت وکیفیت فرق میں آتا ہے۔ اس لیے ترجمے اور لسانیات کی مذکورہ شاخ میں بھی گہرا تعلق ہے۔ لسانیات کی ایک شاخ مارفیمیات ہے جس میں لفظ کی چھوٹی سے چھوٹی با معنی اکائی اور لاحقے وسابقے لگا کر نئے الفاظ وضع کرنے کے عمل کا سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ آپ تمام واقف ہیں کہ ترجمے کے دوران اور اصطلاحات وضع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ہر زبان الفاظ کی گہرائی اور گیرائی یکساں نہیں ہوتی۔ دو زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ ان کی ثقافت اور ان کی زبانوں کے بولنے والے حضرات کا سماجی معاشی اور دیگر پہلوؤں کا پس منظر مختلف ہوسکتا ہے لہٰذا ترجمے کے عمل کے دوران افتراقات (Differnece) کو نبھانا پڑتا ہے جس کے لیے متعدد طریقے سے الفاظ اور اصطلاحین وضع کرنے پڑتی ہیں۔

شاعری کا منظوم ترجمہ اس لیے بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ الفاظ کی اہمیت صرف معنوی ہی نہیں ہوتی بلکہ صوتی بھی ہوتی ہے۔ شاعر مخصوص الفاظ کے استعمال سے نہ صرف اپنا خیال دوسروں تک پہنچاتا ہے بلکہ ان الفاظ کی مخصوص ترتیب کے باوصف پیدا شدہ غنائیت کے سہارے وہ اپنے خیالات اور ان کی ترسیل وابلاغ کو حسین وجمیل بھی بناتا ہے۔ شعر میں جو نغمگی ہوتی ہے، اسے پوری غنائی فضا کے ساتھ دوسری زبان کے شعری پیکر میں منتقل کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ مثلاً میر اور

انیس کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

میر:۔

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہیں
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

انیس:۔

کھا کھا کے اوس ور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

ترجمہ میں چونکہ دو زبانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر زبان میں کئی کئی بولیاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا دونوں زبانوں کی بولیوں کا علم بھی مفید ہوسکتا ہے۔ کیونکہ نثری شہ پارے کے ترجمے کے دوران بہت ممکن ہے کہ مصنف نے اعلیٰ اور متوسط طبقوں نیز دیہاتی لوگوں کی زندگی کو اپنا موضوع بنایا ہو اور اپنی تحریر میں جگہ جگہ سماج کے ان طبقوں کے لوگوں سے مکالمے ادا کروائیں ہوں۔ مکالموں کے لسانی فرق کو سمجھنے کے لیے بولی اور زبان کے فرق کو پہلے سمجھنا ہوگا تب کہیں جا کر ترجمے کو صحیح طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور کرداروں کے مکالموں کے ساتھ انصاف کیا جاسکتا ہے۔ اس پہلو سے بخوبی واقفیت حاصل کرنے کے لیے بولیات (Dialetology) یعنی بولیوں کا مطالعہ کارآمد ہوسکتا ہے۔

ترجمے کے وقت کبھی کبھی ایسے پیچیدہ فقرے یا نیم جملے آجاتے ہیں جن میں اکائیوں کے درمیان صحیح مطابقت کا پتہ نہیں چلتا۔ مثلاً انگریزی کا ایک نیم جملہ دیکھیے۔ Shared Past, present and future اس کا ترجمہ دو طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہوگا کہ مشترکہ ماضی حال اور مستقبل۔ دوسرا طریقہ یہ ہوگا کہ مشترکہ ماضی، مشترکہ حال اور مشترکہ مستقبل۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ کے سیاق میں پہلا طریقہ ہی درست ہوگا کیوں کہ یہ دونوں ملکوں کا صرف ماضی ہی مشترک ہے۔ ایسی صورت میں صحیح مفہوم کے لیے یا تو ہمیں پورے جملے کی ساخت کو ذہن میں رکھنا ہوگا یا سیاق وسباق کی مدد سے اس فقرے کے معنی طے کرنے ہوں گے۔

کسی متن کی تعریف ایک منظّم اور مکمل اکائی کے طور پر کی جاتی ہے جس کے مختلف اجزاء یا سطحیں متن کو ایک آفاقی اثر سے نوازتی ہیں۔ معنی ومفہوم، احساس، لہجہ اور نیت یا غرض و غایت کے درمیان نازک رشتوں کی آگہی مترجم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ان تمام اجزا کا متن کی جملہ معنویت اور اثر انگیزی میں بہت اہم رول ہوتا ہے۔

غیر سنجیدہ یا سرسری طور سے مطالعہ کرنے والا قاری متن کے تانے بانے میں پیوست معنی حاصل کرنے پر ہی اکتفا کرے گا اور متن کی دوسری سطحوں اور ان کے رول تک پہنچنے سے قاصر رہے گا۔ مثال کے طور پر شاعری اور پریوں کی کہانیوں میں مواد سے زیادہ صوتی آہنگ کی اہمیت ہوسکتی ہے۔ میر کے اس شعر میں معنی ومفہوم سے زیادہ فضا اور غنائیت کی اہمیت ہے۔

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے　　　　پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم بادو باراں ہے

لہٰذا مترجم کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مصنف کی ترجیحات کو ملحوظ خاطر رکھے اور یہ دیکھے کہ زیرِ نظر متن میں کس پہلو یا کس سطح کو کیا مقام دیا گیا ہے۔ ترجمے میں اس ترتیب کو بھی منتقل کرنے کی کوشش کرے۔

ترجمے، بالخصوص ادبی ترجمے کے دوران ایک اہم بات علامتوں کی منتقلی ہوتی ہے۔علامتیں اظہار (Expression) اور مواد (Content) کے درمیان ایک فنکارانہ تعلق قائم کرتی ہیں جو عالمانہ ادبی مباحثے میں ایک اہم موضوعِ بحث ہے۔ ترجمے کے عمل کے دوران مترجم کو علامات واستعارات کے پیدا کردہ اظہار و مواد کے درمیان رشتے کی موزوں ومتناسب منتقلی کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ ترجمے کے عمل کے ذریعے عالمانہ ادبی مباحثے میں جو حقیقت منظر عام پر آتی ہے وہ یہ کہ اظہار اور مواد کو الگ کرنے والی سرحد اکثر و بیشتر دھندلی ہو جاتی ہیں۔ علامتوں اور استعاروں کے سبب اظہار نمایاں ہوتا ہے جبکہ مواد و معنی فوری طور سے مخفی رہتے ہیں۔

ترجمہ کے عمل کے دوران مترجم الفاظ اور ان کی مخصوص ترتیب کے باوصف پیدا شدہ صوتی آہنگ نیز صنعتوں کی معنوں جادوگری کی منتقلی کا موزوں ومتناسب اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ترجمہ اور لسانیات کے درمیان رشتہ بہت گہرا ہے کیونکہ لسانیاتی مطالعہ کے مختلف پہلوؤں مثلاً صوتیات، مارفیمیات، نحویات، معانیات، اسلوبیات اور علم العلامات کا علم رکھے بغیر معیاری ترجمے کے فن وعمل کا تصور اگر نا ممکن نہیں تو یقیناً نہایت مشکل ہے۔

## 4.5 ترجمے کے دوران لسانی رکاوٹیں اور ان کا ازالہ

زبان اور اس کے معیار کا تعلق اس کے بولنے والوں کے سماجی، معاشی، سیاسی، ثقافتی معیارات اور اجتماعی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے معیارات سے ہوتا ہے۔ زبان بولنے والے جس مقام پر بستے ہیں وہاں کے آب وہوا اور دیگر جغرافیائی حالات ان کی زبان اور انفرادی واجتماعی زندگی کی جملہ خصوصیات کو متاثر کرتے ہیں۔ اسی لیے ترجمے کے دوران بڑی دقت اس وقت پیش آتی ہے جب ترجمے کی زبان اُن مشاہدات وتجربات، تخیل کی پرواز، خیالات، کیفیات اور احساسات کو پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے جو اصل زبان میں پیوست ہوتے ہیں۔ اس دشواری سے بہ حسنِ خوبی نبرد آزما ہونے کے لیے ایک طریقہ یہ اپنایا جاتا ہے کہ زبان کے مزاج کے مطابق الفاظ وضع کئے جاتے ہیں یا مستعار لیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس زبان کی توضیحی لسانیات سے پوری طرح واقف ہوں جس میں الفاظ وضع کیے جانے ہیں یا مستعار لے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ترجمہ کی زبان کے مزاج اور دیگر لسانیاتی پہلو سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔

ہر لفظ معنوی اعتبار سے ایک دائرے بناتا ہے۔ اس لیے ترجمہ کے دوران اصل زبان کے الفاظ کے دائرے ترجمے کی زبان کے الفاظ کے دائرے کے جتنے قریب ہوں گے، ترجمہ اتنا ہی صحیح اور کارآمد ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان میں وہ الفاظ نہیں ملتے جنھیں کسی خیال کی ادائیگی کے لیے ہم ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں زبان کی ساخت سے مطابقت رکھنے والے الفاظ کو کسی قریبی زبان سے مستعار لے سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے

اس کے کسی لفظ کو ترجمے کی زبان کی صوتی آہنگ اور ساخت کے مطابق رکھنے کے باوصف اپنا کیا جا سکتا ہے۔ ترجمے کے دوران الفاظ کے معانی و مطالب سے صلح کرنے کے لیے مترجم کو جنگ کرنی پڑتی ہے۔ صوتی تاثر کے لیے الفاظ کی ایک ایک آواز ناپنا تولنا پڑتا ہے۔ غرض ایک لمبی تراش وخراش اور تلاش، جستجو کے بعد روح کو صحیح قالب ملتا ہے۔

ترجمے میں ایک خاص پریشانی محاورات کے ساتھ درپیش آتی ہے کیوں کہ محاورے لفظوں کے گُچھے ہوتے ہیں، جو عموماً مجموعی طور سے وہ معنی دیتے ہیں جو الگ الگ لفظ میں نہیں پائے جاتے۔ ہر زبان کے محاورے بولنے والوں کی روایات اور تہذیبی قدروں کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ جو مفہوم ادا کرتے ہیں ان کے پیچھے ایک تاریخ ہوتی ہے۔ محاوروں میں پائی جانے والی قطعیت، ایجاز و اختصار اور اثر انگیزی تحریر کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہیں۔ ایک خاص محاورے کے ذریعے ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں بڑے اختصار اور اثر انگیزی ساتھ کہہ کر نکل جاتے ہیں لیکن ترجمے کے دوران ممکن ہے، اصل زبان کے محاورے میں پیوست خیال یا مفہوم کی ادائیگی کے لیے مہدوف زبان میں اسی معنی و مفہوم کا حامل کوئی محاورہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں زور زبردستی کرنے سے نہ صرف معنی و مفہوم میں فرق پیدا ہو سکتا ہے بلکہ عبارت کا حسن بھی بگڑ سکتا ہے۔

مستحسن طریقہ تو یہ ہوگا کہ اصل زبان کے محاورے کے ترجمے کے لیے مہدوف زبان کی لغات اور فرہنگوں کا بھرپور استعمال کر کے متبادل محاورہ ڈھونڈ نکالنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے۔ بہت ممکن ہے محاورے کا متبادل مل ہی جائے اور مل جانے کی صورت میں پہلی بات تو یہ کہ مترجم کی خوشی کی انتہا نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ موضوع مواد کی منتقلی ایجاز واختصار، قطعیت، اثر انگیزی اور اسلوب کے ساتھ ہوتی ہے کیوں کہ محاورہ اسلوب کا تشکیلی جزو ہے۔ انگریزی کے بہت سے ایسے محاورے ہیں جن کے متبادل اردو میں مل سکتے ہیں۔ مثلاً Scratch my back and I will scratch yours (من ترا حاجی بگویم مرا حاجی بگو)، Take to ask (آڑے ہاتھوں لینا) God help those who help themesalves (ہمت مرداں مدد خدا) Tit and tat (جیسے کو تیسا)، As you sow so shall you reap (جیسا بوؤوں گے ویسا کاٹو گے) Wash one 's hands of (ہاتھ کھینچ لینا) The leing on the cake (سونے پر سہاگا) وغیرہ۔ لہٰذا ذرا سی محنت کر کے اگر مناسب اور موزوں محاورہ تلاش کر لیا جاتا ہے تو جملے کی اثر انگیزی اور معنی مفہوم کی کیفیت شدت کو ترجمہ میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اگر تلاش جستجو کے باوجود محاورہ نہ ملے تو اعتدال سے کام لیتے ہوئے اپنی ضروریات کے مطابق محاورے کے معنی و مفہوم کو الفاظ اور الفاظ کے معنی و مفہوم کو محاورے کے ذریعے پیش کر دینا چاہیے۔

کسی علمی اور تکنیکی مضمون کے ترجمے کے دوران بنیادی مسئلہ اصطلاحوں کا آتا ہے۔ بعض اوقات ہم اصطلاحوں کے بے دریغ مستعار لے کر حاشیوں پر ان کی تشریح یہ کر دیتے ہیں۔ اگر آکسیجن اوزون جیسی اصطلاحی زبان کی صوتی وصرفی مزاج کے مطابق ہیں اور عبارت میں ثقالت کو بڑھنے نہیں دیتیں تو انہیں بجنسہ اخذ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اشتقاقی عمل رکھنے والی اصطلاحوں کے پیش نظر مناسب یہ ہوگا کہ پوری اصطلاح اخذ کرنے کے بجائے اس کی ساق

(Stem) کو لے لیں اور ترجمے والی زبان کے مروجہ سابقے اور لاحقے ہی اس میں استعمال کریں۔ مثلاً انگریزی میں لسانیات کی اصطلاح اور ساق Morp کو لے کر لاحقوں اور سابقوں کی مدد سے متعدد اصطلاحیں بنائی گئی ہیں۔اس طرح اردو میں مارف / مارفیم کو مستعار لے کر اردو کے سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے علی الترتیب ذیلی مارف (Allomorph) مارفیمات (Morphology) مارفیمیاتی (Morphological) مارفیمیاتی طور پر (Morphologically) جیسی اصطلاحیں بنائی جاسکتی ہیں۔

اردو میں الفاظ سازی اور اصطلاح سازی کا ایک اور طریقہ لفظ میں ''کاری'' یا ''یانا'' کا لاحقہ لگا کر بنانے کا ہے۔ اس کے لیے مناسب یہ ہوگا کہ ایک انگریزی لفظ مثلاً Individual لے لیجئے جس کے معنی فرد یا انفرادی کے ہیں۔اب اس کے جتنے بھی اشتقاق الفاظ ہیں ان کی فہرست تیار کر لیجیے۔ان مشتق الفاظ کے سامنے اردو متبادل تیار کیا جائے مثلاً Individualism انفرادیت پسندی، Individualist انفرادیت پسند، Individualistic انفرادیت پسندانہ، individualistically انفرادیت پسندانہ طور پر، individuality انفرادیت، Indiviualize انفرادیانہ، Individualization انفرادیانے کا عمل، andividually (انفرادی طور) پر وغیرہ۔

اصطلاح سازی اور الفاظ سازی کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ انگریزی کے ایسے لفظوں یا اصطلاحوں کا اردو کی موجودہ لفظیات میں سے متبادل ڈھونڈنا، جن میں نئے نئے تصورات اور معانی پوشیدہ ہیں۔مثلاً (Globle Warminig) گلوبل وارمنگ کو لے لیجئے۔ مذکورہ اصطلاح دو الفاظ اور چار مارفیم پر مبنی ہے جس میں ایک تصور پوشیدہ ہے۔اس کے ترجمے کے لیے سب سے پہلے مترجم کو اس اصطلاح میں پوشیدہ تصور کو بخوبی سمجھنا ہوگا۔ پھر اس اصطلاح کو مارفمیاتی طور پر قطع وبرید کر کے معنوی اعتبار سے سمجھنا ہوگا۔اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں سے مارفیمی اور معنوی اعتبار سے کوئی مرکب اصطلاح ممکن ہو پاتی ہے یا نہیں۔ مذکورہ بالا اصطلاح دو الفاظ اور چار مارفیم پر مشتمل ہے۔اب ہمیں اس بات کی کوشش کرنا ہوگی کہ دو الفاظ اور چار مارفیم پر مبنی میں کوئی اصطلاح بنے۔

اس کے لیے سب سے پہلے انگریزی قواعد کی رو سے e گرا کر al لگاتے ہیں تو وہی Globe اسم سے صفت میں بدل جاتا ہے۔ ویسے تو یہ ایک لفظ ہے لیکن اس میں دو مارفیم ہیں۔ Globe اسم سے صفت میں بدل جاتا ہے۔ویسے تو یہ ایک لفظ ہے لیکن اس میں دو مارفیم ہیں۔ G l o b e آزاد مارفیم ہے اور a l پابند مارفیم ہے۔دوسرا لفظ Warming ہے۔جس کے معنی گرم ہونے کے ہیں۔اور جس میں گرم ہونے کا عمل پوشیدہ ہوتا ہے۔یہ ایک لفظ ہے لیکن اس میں دو مارفیم ہے۔ Warm آزاد مارفیم ہے جب کہ ing پابند مارفیم ہے۔ اب اردو میں اس کا متبادل کچھ اس طرح سے بنایا جاسکتا ہے۔ Globe کے معنی کرہ یا عالم کے ہوتے ہیں جو ایک لفظ اور مارفیم بھی ہے۔ Global کے لیے اسی طرح سے اردو میں کردی ہوگا جو Global کی طرح ایک لفظ ہے تاہم دو مارفیم یعنی آزاد اور پابند مارفیم پر مشتمل ہے اور کروی بھی Global کی طرح صفت ہے۔اس مرکب اصطلاح کا دوسرا تشکیلی لفظ Warming ہے۔جو ایک لفظ ہے

تاہم دو مارفیم یعنی Warm آزاد مارفیم اور ing پابند مارفیم پر مشتمل ہے ۔اس کے لیے اردو میں حرارت پذیری مناسب ہوگا جو مرکب لفظ ہے علاوہ ازیں اازاد مارفیم اور پابند مارفیم پر مشتمل ہے اور جو حیثیت ing کی ہے وہی حیثیت پذیری کی ہے کیونکہ دونوں آزاد نہ طور پر استعمال نہیں ہوتے ۔اس مارفیمیاتی اور معنیاتی عمل سے گزرنے کے بعد لفظ سازی اور اصطلاح سازی کی جای ہے اور ترجمے کے دوران ایک بری رکاوٹ سے بحسن وکوبی نبرد آزما ہوتے ہیں ۔

بعض اوقات قواعد کے کچھ ایسے بنیادی عناصر ترجمے کے وقت پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔مثال کے طور پر فارسی سے اردو میں ترجمہ کو لے لیجئے ۔فارسی میں تذکیروتانیث کا کوئی چکر ہی نہیں ۔جب کہ اردو میں تذکیروتانیث کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت بھی بعض وقت تذکیروتانیث کا تعین کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔بالخصوص اسما کے معاملے میں مسئلہ کھڑا ہوتا ہے۔معلوم نہیں ہو پاتا کہ آپ کا مخاطب مرد ہے یا عورت بعض وقت یہی مسئلہ اردو میں درآتا ہے۔انگریزی میں ہر پہر کے سلام کے لیے الگ الگ الفاظ ہیں ۔اردو میں سلام کے لیے مختلف الفاظ ضرور ملتے ہیں لیکن ان سے پہر کا انداز نہیں ہوتا۔ترجمہ کرتے وقت ایسی صورت اگر سامنے آئے تو وقت کے تعین کے لیے ایک دو جملے کا اضافہ کرنا ہوگا۔

ہرزبان میں جملے یا فقرے بنانے کے طریقے جدا جدا ہوتے ہیں لہٰذا ترجمے کے دوران ایک وقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ دونوں زبانوں کے جملوں یا فقروں کی ساخت کے امتیازی یا افتراقی پہلوؤں کی تمیز و تفہیم کیسے کی جائے اور اس کے بعد ان امتیازی یا افتراقی پہلوؤں کو ترجمے دوران نبھایا کیسے جائے۔اصل زبان اور ترجمے والی زبان کے جملوں اور فقروں کی ساخت کے باہم امتیازی یا افتراقی پہلوؤں کی تمیز و تفہیم اور ترجمے میں انہیں صحیح صحیح نباہنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں کے نثری فن پاروں کا اس زاویے سے بحسن وخوبی اور گہرائی سے مطالعے کیا جائے اور جہاں کہیں بھی تفہیم میں وقت ہو اس کے ازالے کے لیے معیاری لغات اور اساتذہ کرام سے رجوع کیا جائے۔تبھی ترجمے میں ان کا اہتمام ممکن ہو پائے گا۔ایک مثال کے ذریعے اس پہلو اس پہلو سے متعلق بحث کو واضح کرنا چاہوں گا۔My teacher gave warninig to meاگر آپ اس جملے کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں تو اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا۔میرے استاد نے مجھے انتباہ یا تنبیہ دی۔جب کہ اردو میں جملہ کچھ اس طرح ہوگا۔وہ مجھے برباد کرنے پر تلا ہوا ہے یا وہ مجھے برباد کرنے کے درپے ہے۔Indian team tasted victory۔ہندوستانی ٹیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی ۔یہ جملہ قطعی درست نہیں ہوگا۔ہندوستانی ٹیم نے کامیابی یا فتح چکھی "I gave a piece of my mind to him" کا ترجمہ یہ نہیں ہوگا کہ میں نے اپنے دماغ کا ایک حصہ دیا بلکہ اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا کہ میں نے اس کی ڈانٹ ڈپٹ یا فضیحت کی۔

ترجمے کے دوران ایک وقت حرف جار Preposition کی آتی ہے اگر انگریزی کے جملے میں حرف جار استعمال ہوا ہے تو کوئی ضروری نہیں کہ اردو ترجمے میں بھی حرف جار کا اہتمام کیا جائے۔مثلاً He has gone to school اردو میں اس جملے کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا۔وہ اسکول گیا۔یا جب آپ اردو سے انگریزی میں ترجمہ کررہے ہوں تو یہ صورت اس وقت بھی پید ہوسکتی ہے مثلاً I love you انگریزی کے اس جملے میں حرف جار Preposition کا استعمال نہیں ہے لیکن جب اردو میں ترجمہ کیا جائے گا تو اس میں ''سے'' حرف جار استعمال ہوگا۔جملہ کچھ اس طرح ہوگا میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔بہرکیف ترجمے کے دوران اس حرف جار کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ایک دوسری دقت متعلق فعل

Adverb کے جملے میں مقام استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔انگریزی میں متعلق فعل Adverb کا استعمال جملے میں فاعل کے بعد اور مفعول کے بعد استعمال ہوسکتا ہے جب کہ اردو میں فاعل کے فوراً بعد استعمال ہوتا ہے۔مثلاً He reached home slowly وہ دھیرے دھیرے گھر پہنچا۔اس کے علاوہ دیگر قواعدی پہلوؤں کے فرق کو ترجمے کے دوران ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔مثلاً Active and passive اور Direct and Direct اردو میں عام طور سے جملے Direct اور Active ہی استعمال ہوتے ہیں۔

## 4.6 ثقافت کیا ہے؟

غیر رسمی اور لاشعوری طور سے متفقہ برتاؤ کے اصول اور ان پر عمل کے مادی نتائج سمیت مخصوص معاشرے کے مجملہ طرز ہائے سلوک کو ثقافت کہتے ہیں۔ثقافت ایک انوکھی انسانی حقیقت ہے گرچہ یہ بنی نوعِ انسان کے فطری اتحاد کا نتیجہ ہے لیکن اس کے وجود کا احساس فطری حقیقت سے ماورا ہے۔اس کا اظہار بنی نوع انسان کی تکنیکی، ذہنی، اخلاقی، سماجی، جمالی اور روحانی حصولیابیوں سے ہوتا ہے۔ثقافت بنی نوعِ انسان سے ہمارے رشتوں کو معنویت عطا کرتی ہے کیونکہ ثقافت ہی ہماری موضوعی شناخت کی تشکیل کرتی ہے۔اسی لیے ثقافت مختلف سطحوں پر متعدد شکلوں میں سماجی تبدیلی کے عمل میں دخیل رہتی ہے۔اس کی تعریف سماجی تبدیلی کے معیار کے اشاریئے کے طور پر کی جاتی ہے۔یہ بیرونی ثقافتی طاقتوں کے تئیں منتخب تو افقات کو اپناتے ہوئے اچھے خاصے لچیلے پن کا مظاہرہ کرتی ہے۔اپنی ادارہ جاتی وسعتوں کے ساتھ اس کی ایک نہایت مضبوط جڑ ہوتی ہے جو بیرونی ثقافتی روابط اور تبدیلیوں کی طاقتوں کے اثرات کے لیے چھنی اور اعتدال کا کام کرتی ہے۔اسی لیے ہر قومی ثقافت کے دھارے میں ذیلی ثقافتی دھارے اور جوابی یا مدمقابل دھارے پائے جاتے ہیں جو ثقافتی ارتقا کو مہمیز کرتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں یہ بات زوروں کر کہی جارہی ہے کہ ثقافت کے عالم کاری کے باعث بہت سے رسوم ورواج دن بدن ختم ہوتے جارہے ہیں اور وہ یکسانیت کے عمل سے دوچار ہیں۔یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ثقافت اسالیب،مواد اور شکلوں میں ایک طرح کا ثقافتی امتزاج رونما ہورہا ہے۔اس رجحان کی عکاسی لفظوں،فقروں اور محاوروں وغیرہ کے استعمال میں دیگر زبانوں کی لفظوں،فقروں اور محاوروں کے روز بروز بڑھتی ہوئی آمیزش سے ہوتی ہے۔موسیقی، رقص،مصوری فن،تعمیر اور ثقافت کے دیگر میدانوں میں اختلاط کا جو عمل کارفرما ہے،اس سے فنون لطیفہ کے بقائے باہمی اور ارتقاء کی طرف صحت مند اشارہ بھی ملتا ہے۔ثقافتی عالم کاری کے عمل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ثقافتی تسلسل اور تخلیقیت کی روایتی اور اصلی ہیئت اور اسلوب میں ارتقا کا عمل رک جائے گا۔

ثقافت کے تصور پر فلسفہ،سماجیات،بشریات،ادب اور ثقافتی مطالعات جیسے شعبہ ہائے علم میں غور وخوض ہوتا آیا ہے۔ان شعبہ ہائے علم میں ثقافت کی پیش کی گئی تعریفیں مذکورہ شعبوں میں بروئے کار لائے گئے مخصوص اصول وقواعد کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ثقافت سے متعلق دو بنیادی نظریات سامنے آئے ہیں۔پہلا ثقافت کا انسانیت (Humansim) پر مبنی تصور اور دوسرا ثقافت کا بشریاتی (Anthropologicalt) تصور ہے۔ثقافت کا انسانیت پر مبنی تصور شائستگی اور

لطافت کے احساسات اور انداز و اطوار کے نمونے کے طور پر تہذیبی میراث کا احاطہ کرتا ہے۔جس میں خصوصی طور پر کسی ثقافتی برادری کے فنون لطیفہ کے شاہکار شامل ہوتے ہیں۔ثقافت کے بشریاتی تصور سے مراد کسی ثقافتی برادری یا معاشرے کی منجملہ طرز ہائے زندگی سے ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے وہ تمام واضح اور غیر واضح روایتی منصوبے شامل ہوتے ہیں جو ثقافتی برادری کے ممبروں کے رویوں کے لیے ممکنہ رہنما اصول کے طور پر کام کرتے ہیں۔

تجزیاتی طور سے دیکھا جائے تو ثقافت کی چار سطحیں ہوتی ہیں۔پہلی سطح عمومی انسانی سطح ہے۔جس میں بنی نوعِ انسان حیوانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔حیوانوں کے برخلاف بنی نوعِ انسان غور و فکر کی اہلیت رکھتے ہیں اور وہ تخلیقی طور سے اپنے ماحول کو بدل سکتے ہیں اور نئی شکل دے سکتے ہیں۔

ثقافت کی دوسری سطح سماجی اور قومی سطح ہے۔ثقافت ایک ایسی طاقت ہے جو کسی علاقے میں بسے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے اور متحد کرتی ہے جس سے وہاں کے لوگوں کا نظام حکومت سے رشتوں کا تعین ہوتا ہے۔ان کے مذہبی عقائد اور قدروں کا تعین ہوتا ہے۔یہ وہ دائرہ کار ہیں جن میں انسانی فکر اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ثقافت کی تیسری سطح دوسری سطح سے مطابقت رکھتی ہے لیکن جغرافیائی خطے سماجی طبقے ،جنس، پیشہ وارانہ سرگرمی اور موضوعات کے مطابق متعدد سماجی اور قومی ذیلی گروہوں کا احاطہ کرتی ہے۔چوتھی سطح کا تعلق شخصی اور انفرادی طرز فکر کے رہنمایانہ اصولوں سے ہے۔اس سطح کا تعلق اس ثقافتی شعور سے ہے جو ایک انسان کو اس کے اپنے کلچر کی ان تشکیلی خوبیوں سے آگاہ کرتا ہے جو دوسروں کے کلچر سے ممیّز کرتی ہے۔

ثقافت کی تکمیلی، انسانی، سماجی اور انفرادی یا شخصی نظریوں کی مذکورہ بالا چار سطحوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ثقافت کی تعریف غیر رسمی طور سے انسانی اذہان وقلوب کے عملی ،فکری اور جذباتی تانے بانے کے اجتماعی پروگرام کے طور پر بیان کی جا سکتی ہے جس کی اپنی ایک امتیازی شناخت ہوتی ہے۔ثقافت کوئی مادی شئے یا واقعہ نہیں ہے۔اس کی تشکیل اشیاء لوگوں رویوں اور جذبوں سے نہیں ہوتی بلکہ ان تمام چیزوں کی تنظیم اور اس کی پیدا کردہ فنی نوادرات کا نام ثقافت ہے۔ثقافت کا بنیادی طور سے تعلق مذکورہ چیزوں کی صورتوں اور ہیئتوں سے ہے جو لوگوں کے اذہان وقلوب میں بستی ہیں، اور ان چیزوں کی تشریح، ادراک اور ایک دوسرے سے جوڑتے کا ماڈل بھی لوگوں کے ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔

کلچر کو مختلف قسم کی نمائندگیوں کے تعلق سے بھی سمجھا جا سکتا ہے اور نمائندگیاں تصورات، رویوں اور رجحانات کی ہو سکتی ہیں۔کسی بھی گروپ میں ذہنی نمائندگیوں کا جم غفیر پایا جاتا ہے۔ان ذہنی نمائندگیوں کے چھوٹے چھوٹے گروپوں کی نمائندگی واضح طور سے زبان اور انسانی ہنر اور صناعی کے نمونوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔جو بعد میں عوامی نمائندگیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو سماجی گروپ میں دیگر لوگوں تک پہنچتی ہے۔اس عوامی نمائندگی کی ترسیل کے باوصف دیگر لوگوں میں اس طرح کی ذہنی نمائندگی پروان چڑھتی ہیں۔جو پھر بطور عوامی نمائندگی کے دوسروں تک پہنچتی ہے۔اس کے بعد یہی نمائندگیاں دوسروں تک پہنچتی ہیں۔اس طرح ذہنی نمائندگیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اگر عوامی نمائندگیاں ایک مخصوص سماجی گروپ میں گردش

کرتی رہتی ہیں تو یہ نمائندگیاں مستحکم ہو جاتی ہیں اور نتیجتاً ثقافتی نمائندگیوں کا روپ اختیار کر لیتی ہیں۔ ترجمے کے عمل کے دوران انہیں باریکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر کامیاب ترجمہ منظر عام پر آپاتا ہے۔

---

## 4.7 ترجمہ اور ثقافت میں رشتہ

کسی بھی متن کے ترجمے کی چار سطحیں ہوتی ہیں یعنی لسانی، معلوماتی، تہذیبی، اور کیفیاتی۔ اچھی تحریر مذکور چاروں سطحوں کا کمیت ار نوعیت کے اعتبار سے متناسب اہتمام کرتی ہے۔ لفظ آوازوں کا مجموعہ ہے۔ ان آوازوں میں سوز و گداز اور انبساط کی معنوی کیفیت مضمر ہوتی ہے اور جب ان آوازوں کو مخصوص انداز سے ترتیب دیتے ہیں تو معنوی کیفیات متشکل ہوتی ہے۔ مخصوص زبان کی آوازیں ان سے ترتیب پانے والے الفاظ اور ان لفظوں پر مشتمل جملے کم و بیش چاروں سطحوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آواز، رسم الخط، معلومات اور حزنیہ و نشاطیہ کیفیات کے اظہار کی اپنی ایک تہذیب ہوتی ہے۔

تہذیب و ثقافت دراصل دنیا ما فیہا کے ایک مخصوص طرز ہائے، احساس رویہ اور فکر و فہم کے اظہار کا نام ہیں۔ لہٰذا ترجمہ کرتے وقت انسانی پیکر میں پیوست ان پہلوؤں سے مترجم کا سابقہ پڑتا ہے اور ان کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت ان کے باوجود کے احساس کو بحسن و خوبی نبھانا از خود ترجمہ کے فن کی تہذیب ہے۔ اور اس عمل میں کامیاب مترجم مہذب مترجم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا ترجمہ کے دوران ترجمہ اور ثقافت میں چولی دامن کے رشتے کو ملحوظ خاطر رکھنا مترجم کے لیے اشد ضروری ہوتا ہے۔ دراصل تحریر ایک وجود ہوتی ہے اور زبان اس کا جسم ثقافت اس کی روح ہوتی ہے۔ درحقیقت زبانیں ثقافت کا جزو لاینفک ہوتی ہیں۔ اسی لیے اصل ثقافتی امور کو بخوبی سمجھے بغیر لفظوں کی مکمل تفہیم تقریباً ناممکن ہے۔ مثلاً کورنش بجالانا کی باقاعدہ تفہیم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مترجم شاہی اور نوابی طرز نظام سے کما حقہ واقف نہ ہو۔

زبان دراصل خیالات کی ترسیل معلومات کی فراہمی اور انسانی رشتوں کے تانے بانے کو زندہ رکھنے اور جاری و ساری رکھنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے کسی بھی ثقافت کی شناخت بغیر مخصوص زبان کی تقریباً ناممکن ہے۔ دنیا کے علوم حاصل کرنے اپنے ذہن کی نمائندگی کرنے اور انہیں عوامی شکل دینے میں زبان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو زبان کسی بھی خطے میں بسے عوام کے اجتماعی علوم اور ان کی تہذیب و ثقافت کو محفوظ کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔

ان باتوں کے پیشِ نظر اس بات کی تفہیم کہ زبان معاشرے اور ثقافت کا اٹوٹ حصہ ہے اشد ضروری ہو جاتی ہے اور یہ فہم ترجمے کے عمل اور اس کی نزاکتوں کی طلب میں کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ اگر مترجم کو ثقافتوں کے درمیان نازک افتراقات (Differnces) کا علم نہ ہو تو وہ متن کے کچھ اہم پہلوؤں کو سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ نتیجتاً متن کی تفہیم پوری طرح سے مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ ترجمے کی تفہیم اس کے عمل اور اس کی تدریس کے دوران اس پہلو کو زیر غور رکھنا نہایت اہم ہے کہ زبانوں میں ایسے نقوش پائے جاتے ہیں جن سے سماجی اور ثقافتی افتراقات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور یہ افتراقات ضروری نہیں کہ آفاقی نوعیت کے ہوں۔ سماجی اور ثقافتی فرق صرف مختلف زبانوں کے درمیان ہی نہیں پایا جاتا بلکہ فرق ایک زبان کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ ہر زبان کے مختلف خطے ہوتے ہیں اور ہر خطے کی اپنی ایک بولی ہوتی ہے جو زبان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک ہی لفظ مختلف خطوں میں مختلف مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ مختلف خطوں کے جملے اور فقروں

کی تشکیل میں فرق پایا جاتا ہے۔مثلاً جنوبی ہند میں لوگوں کو اسپتال میں شریک کرنا اور مشاعرے میں داخل ہونا کہتے ہیں۔علاوہ ازیں جنوبی ہند میں ربط پیدا کرنا کہتے ہیں۔اس کے برعکس شمالی ہند میں لوگوں کو اسپتال میں داخل کیا جاتا ہے اور لوگ مشاعرے میں شریک ہوتے ہیں۔اسی طرح رابطہ قائم کرنا استعمال کرتے ہیں۔

زبانوں کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوتا لیکن دنیا کے تمام مذاہب کسی نہ کسی زبان میں فروغ پاتے ہیں۔جب مذاہب دوسری زبانوں کے بولنے والوں میں پھیلتے ہیں تو بہت سے مذہبی پہلو بھی لسانی پہلوؤں کے ساتھ دوسری زبانوں کے اجزا بن جاتے ہیں۔ایسی صورت میں زبان ہی نہیں بلکہ اس زبان کی ثقافت میں بھی بہت تبدیلی آتی ہے کیونکہ ثقافت کا تعلق کسی نہ کسی طرح سے انسانی عقائد سے ہوتا ہے۔مثال کے طور پر Fast برت اور روزہ بالترتیب انگریزی، ہندی اور اردو کے الفاظ ہیں۔اور ان تینوں لفظوں کا بنیادی طور پر سے تعلق بالترتیب تین مذاہب عیسائیت، ہندوازم اور اسلام سے ہے۔تینوں میں جو چیز لسانی اعتبار سے مشترک ہے وہ ہے رکھنا یعنی Keep Fast برت رکھنا اور روزے رکھنا۔اور مذہبی اعتبار سے تینوں میں جو اشتراک ہے وہ کھانے پینے سے متعلق کسی نہ کسی نوعیت کی ممانعت ہے لیکن اس کے بعد فرق شروع ہوتا ہے۔انگریزی میں Break Fast کیا جاتا ہے، یعنی توڑا جاتا ہے۔ہندی میں برت توڑا جاتا ہے اور اردو میں روزہ کھولا جاتا ہے۔روزہ توڑنے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ایک صورت تو یہ ہے کہ اگر روزے کی حالت میں جان خطرے میں ہے تو روزہ توڑا جا سکتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر آپ روزہ توڑتے ہیں تو ایک روزہ توڑنے کی پاداش میں ساٹھ روزے بھرنے پڑیں گے۔لفظ توڑنا میں دو معنوی پہلو مضمر ہیں۔ایک لاقانونیت تو دوسرا انتہائی مجبوری کی حالت ہے۔اب اگر مترجم اردو سے انگریزی میں یا اردو سے ہندی میں یا انگریزی سے اردو یا ہندی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہے تو اس مذہبی اور ثقافتی پہلو کی منتقلی کا اہتمام کیسے کرے۔اس پر بحث آگے کی جائے گی۔لیکن یہاں پر جو بات منظر عام پر لانی ہے وہ یہ ہے کہ ہر زبان کا اپنا مذہبی اور ثقافتی پس منظر ہوتا ہے۔جس میں مذہبی عقائد بھی شامل ہوتے ہیں لہٰذا مترجم کو مذکورہ نزاکتوں کے تئیں حساس ہونا پڑے گا۔ورنہ مترجم ترجمے کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا۔

ہر زبان کا اپنا علاقائی، جنسی (Gender) اور طبقاتی کردار ہوتا ہے۔ترجمے کے دوران مترجم کو ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔اصل زبان کے مواد کے ثقافتی سانچے اور باریکیوں پر گہری نگاہ رکھنی پڑتی ہے تاکہ مہدوف زبان (Target language) میں ان کی منتقلی کو یقینی بنایا جا سکے۔مثال کے طور پر لفظ مشاعرہ کو لے لیجیے۔مشاعرہ دراصل ایک ادبی ادارہ ہے۔اگر آپ اس کا ترجمہ ہندی میں کر رہے ہوں تو کوئی دربار کا لفظ بطور متبادل کے استعمال کر سکتے ہیں۔لیکن اگر آپ مشاعرہ کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہوں تو کوی کر رہے ہیں تو آپ کے لیے مشکل یہ ہوگی کہ انگریزی ادب وثقافت میں یہ ادارہ پایا ہی نہیں جاتا لہٰذا آپ کو قوسین میں اس کی وضاحت کرنی پڑے گی۔اسی طرح سے لفظ طوائف ہے۔طوائف اپنے آپ میں مختلف الجہات سماجی ادارہ ہے۔یہ عہد وسطی کے لکھنؤ میں پروان چڑھا اور ایک خاص طرز سماجی نظام ثقافت اور عہد کی دین رہا ہے۔جہاں زبان وادب اور ثقافت اور المختصر فنون لطیفہ پروان پاتے تھے۔شرفائے لکھنؤ اپنے بچوں کو زبان وادب وثقافت وغیرہ کی تربیت کے لیے وہاں بھیجا کرتے تھے جو کہ یہ سماجی وثقافتی ادارہ ایک خاص عہد کے لکھنؤ

میں پروان چڑھا اور یہ کسی دیگر معاشرے میں کبھی بھی اس شکل میں نہیں پایا گیا لہٰذا امراؤ جان ادا ناول میں پیش کیے گئے اس ادبی ثقافتی ادارے کے ترجمے کے دوران مترجم کو دیکھتیں کو پیش آتے آئیں گی۔ اسی طرح سے ہر لفظ کا اپنا ایک تہذیبی پس منظر ہوتا ہے اور مترجم کو اس تہذیبی پس منظر سے کما حقہ واقفیت اشد ضروری ہے۔ اس فقدان کے باعث وہ ترجمہ کی تہذیب اور اس کے فن کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے گا۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو احیاء العلوم کی تحریکوں کے پیچھے یا کسی قوم کے فکری اور شعوری ارتقاء میں ہمیں ترجموں کا رول بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں یونانی علوم کے تراجم، یورپی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے پس منظر میں اسلامی علوم کے تراجم یہ دونوں صورتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ فکر وشعور کی بلندی میں اور تہذیبی تحریک میں ترجمے خاص رول ادا کرتے آئے ہیں۔ خود ہماری زبان اور اس کے ادب کے ارتقا میں ترجموں نے نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ سرسید کے دور کی فکری فضا میں، بعد ازاں رومانوی دور میں اور پھر ترقی پسند تحریک کے زمانے میں ترجمے ہوئے اور خوب ہوئے۔ ان تراجم کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ پورا عہد تہذیبی اور ثقافتی تحریک کا دور رہا ہے۔

ترجمے کے دوران دو مختلف تہذیبیں ایک دوسرے کے مد مقابل ہوتی ہیں۔ ایک تہذیبی سانچے کو دوسرے تہذیبی سانچے میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔ ہر زبان کا لفظ اپنی اپنی تہذیب کا نمائندہ ہوتا ہے۔ لفظوں کے مرادفات اور مترادفات کے معنوی فرق کی جھلکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتے ہے۔ ثقافت ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعے بنی نوع انسان ایک معاشرے کی تخلیق کرتے ہیں۔ بعد میں اس معاشرے کی زندگی پر ہی اس ثقافت کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ انسانی ہنر وصناعی کے نمونوں، سماج کی پیدا کردہ روزمرہ کی اشیا، مختلف ثقافتی کارناموں کے تصورات کو مترجمین ترجمے کے فن کے ذریعے نسلاً بعد نسل انسانیت کو منتقل کرتے ہیں۔

لسانیات تہذیبی بشریات کی ایک شاخ ہے۔ تہذیبی بشریات کا لسانیات میں ایک کارنامہ یہ ہے کہ اہل علم نہ صرف زبانوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں بلکہ مختلف تہذیبوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تہذیبی بشریات نے لسانیات کو ایسا مواد فراہم کیا ہے جس سے معنی کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اکثر کسی قواعدی شکل کے معنی کو اس کے سماجی وثقافتی استعمال کی روشنی میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جیسے اردو میں تو، تم اور آپ وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض فقرے مثلاً طبیعت ناساز ہے یا طبیعت خراب طبیعت کا خراب ہونا، تشریف رکھنا یا بیٹھنا، غرض کرنا عرض کرنا یا فرمانا وغیرہ بھی سماجی وثقافتی اقدار کے پس منظر ہی میں سمجھے جا سکتے ہیں۔

ہر زبان کے اچھے خاصے الفاظ تہذیبی وثقافتی پس منظر رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ ''بزم'' کو لیجیے۔ ایک تو معنوی اعتبار سے لفظ رزم کے برخلاف ہے۔ بزم کے معنی محفل اور ایک مہذب نشست کے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہاں معشوق بیٹھا ہوگا، شمع جلتی ہوگی، شعر وشاعری کا دور چلتا ہوگا صاحبان ذوق جمع ہوں گے۔ ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے والا لفظ انگریزی میں نہیں ہے کیوں کہ محفل ادبی نشست اور مشاعرہ وغیرہ کا کلچر ان کے یہاں نہیں ہے۔ اس لیے کسی ایک لفظ یا اصطلاح کی مدد سے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ترجمہ کرنا نہایت مشکل کام ہے۔

ایک دوسری مثال تارنگاہ کی ہے۔اس کی معنویت اتنی بلیغ ہے کہ بغیر وضاحتی طریقہ اپنائے ترجمہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ بقول " شمس الرحمٰن فاروقی " دراصل پرانے زمانے میں یونانیوں کا خیال تھا کہ نظریہ یا بصیرت روشنی کی باریک لکیریں ہیں۔ جو آنکھ سے نکل کر اشیا پر پڑتی ہیں اور اس طرح وہ اشیا پر پڑتی ہیں اور اس طرح وہ اشیا ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ یونانیوں کی بنا پر فارسی،عربی،ترکی اور اردو وغیرہ میں تارنگاہ قسم کے صدہا استعارے وجود میں آئے۔ پھر معشوق کی نگاہ کے لیے خنجر،تلوار، نیزہ دشنہ، وغیرہ کے استعارے ممکن ہوسکے۔اب اگر آپ انگریزی میں ترجمہ کررہے ہیں تو اس طرح کے استعاروں کو کس طرح ادا کریں گے کہ نگاہیں تیر ہیں۔

دراصل ہر زبان کی شاعری میں بات کہنے کے شعری حربے پائے جاتے ہیں اور یہ استعارات،تشبیہات،تلمیحات، علامات اور تلازمات ہوتے ہیں اور یہ اس مخصوص زبان کے تہذیبی، ثقافتی،معاشرتی اور معاشی پس منظر سے متعلق ہوتے ہیں جو اس کے فکری اور لسانی نظام کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً اردو اور فارسی میں شیخ، زاہد امیر،شہر فقیہ،شہر رند، ساقی،محتسب، ناصح، میخانہ،شراب خانہ،نخش کاری کا اڈہ، بت خانہ، پیر مغاں، خانقاہ،خرقہ ،مصلہ،مولوی، پنڈت، قشقہ، زنار وغیرہ جیسے مخصوص الفاظ محض لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ اپنے عہد کی تہذیبی علامتیں بن کر ابھرتے ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت ان تہذیبی نزاکتوں ولطافتوں تک رسائی حاصل کرنا مترجم کے لیے اشد ضروری ہے جو ان مخصوص لفظوں اور اصطلاحوں میں پیوست ہیں۔ یہی حال دوسرے استعاروں کا ہے۔ مثلاً صنم آشیانہ ،گل،گلشن، گلشن ، باغباں، گلچیں، کلی عندلیب فلک اور آسمان وغیرہ۔اس لیے ترجمہ کرتے وقت استعاروں اور علامتوں کے مفاہیم کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ ورنہ مراد شاعر لغوی معنوں میں الجھ کر رہ جائے گا۔ اس لیے کہا جاتا ہے الفاظ صرف پڑھے ہی نہیں جاتے بلکہ معنوی پرتوں کو محسوس کر کے ان میں سیر بھی کرنا ہوتا ہے۔علاوہ ازیں الفاظ سنگیت کی طرح سے سنے بھی جاتے ہیں۔

اس طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترجمے کا تعلق تہذیب وثقافت سے بہت گہرا ہے۔لہٰذا مترجم کو اس رشتے کی نزاکتوں کی پاسداری اور دوسری زبان میں اس کی منتقلی کا اہتمام کرنا چاہیے جو ترجمے کے فن کی تہذیب کے عین مطابق ہوگا۔

## 4.8 ترجمے کے دوران ثقافتی رکاوٹیں اور ان کا ازالہ

جب متن کی زبان اور ترجمے کی زبان کے ثقافتی پس منظر میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے تو عام سے عقائدی اور تہذیبی پہلوؤں، رسم ورواج، تیوہار،لباس اور مکانوں کے نام ترجمے کے دوران بڑی دقت پیش آتی ہے۔مثال کے طور پر پریم چند کے افسانے ’’عیدگاہ‘‘ پوس کی رات‘‘، ’’اماوس کی رات‘‘ اور عصمت کا افسانہ ’’چوتھی کا جوڑا‘‘ وغیرہ کا انگریزی میں ترجمہ کرتے وقت یقیناً دقتیں پیش آئیں گی۔ان کے ازالے کا طریقہ یہ ہے کہ حاشیوں میں ان کی تشریح کردی جائے۔اردو آبادی کی بیگمات کے لہجے اور ان کی زبانوں کے ترجمے میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ان کی زبان کے متعدد ایسے الفاظ،فقرے اور جملے مل جائیں گے جنہیں روسی،فرانسی، جرمن یا انگریزی کے قالب میں ڈھالنا تقریباً ناممکن ہے۔

جس چیز کا ترجمہ کرنا بالکل ناممکن ہے وہ ان کا مخصوص لہجہ اور اندازِ تخاطب ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کے مقابلے میں ان

زبانوں کی عورتوں کی طرزِ زندگی، عادات واطوار، سوچنے اور بات کرنے کے انداز قطعی مختلف ہیں۔اس کے علاوہ وہ مشرق میں بعض رسومات، خاندانی روایات اور رشتوں کے اعتبار سے بہت سی باتیں اوران کے بیان کرنے کے انداز ایسے ہیں مغرب والوں سے میل کھاتے۔ایسی تحریر کا ترجمہ کرتے وقت اگر ان باتوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو ترجمہ بے جان سا ہوکر رہ جائے گا۔مثال کے طور پر مرزا ہادی رسوا کی ''امراؤ جان ادا'' سرور کی ''فسانہ عجائب'' ''سرشار کی ''فسانہ آزاد'' اور عصمت کا ''چوتھی کا جوڑا'' وغیرہ کو لیجیے ان نثری فن پاروں میں اتنی ہندوستانی تہذیب پیوست ہے کہ انہیں مغرب کی کسی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے اس مخصوص زبان کو اردو تہذیب و ثقافت میں رچنا بسنا پڑے گا۔انہیں تو حواشی میں تشریحات سے کام لینا پڑے گا۔مثلاً طوائف، کوٹھا، تسلیم بجالانا وغیرہ کے ترجمے کے لیے حواشی میں تشریح کا سہارا لینا پڑے گا۔

ترجمے میں ایک اور دشواری محاورات کے ساتھ پیش آتی ہے کیوں کہ محاورے کی کونپلیں ہمیشہ بولنے والوں کے تہذیبی رشتوں اور معاشرتی و معاشی زندگی کی جڑوں سے پھوٹتی ہیں اور پھر کثرت استعمال سے زبان کا تناور درخت بن جاتی ہیں۔اس لیے کسی خاص موقعے پر کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ہم جو محاورہ ضرب الامثال یعنی کہاوت استعمال کرتے ہیں ضروری نہیں کہ دوسری زبان میں بھی اس موقعے پر اس اور اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بالکل اسی طرح کا محاورہ استعمال ہوتا ہو۔ممکن ہے اس سے ملتا جلتا کوئی محاورہ ہو مثلاً God helps those who help themsalves (ہمت مرداں مدد خدا) یا Murphy 'law (جو کام بگڑنا ہے وہ ضرور بگڑے گا) جیسی کہاوتوں کا ترجمہ ہو۔چوں کہ اس طرح کا کام اردو میں نہیں ہوا ہے۔اس لیے وثوق سے انہیں کہہ سکتے کہ تمام یا اچھے خاصے انگریزی محاوروں یا کہاوتوں کا متبادل اردو میں دستیاب ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس موضوع پر کام کرنے کی کافی گنجائش ہے۔بہرکیف یہ مستحن ہوگا اگر مترجم اصل تحریر میں استعمال شدہ محاوروں کا متبادل مہدوف زبان میں ڈھونڈ نکالتا ہے اور ترجمہ کرتے وقت انہیں جملوں میں بحسن و خوبی استعمال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ترجمے کے فن اور مقصد کے پیش نظر یہاں پر دو باتیں قابل ذکر ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ شعروں کی طرح محاوروں کی مدد سے بہت بڑی بات اختصار اور اثر انگیزی کے ساتھ کہی جاتی ہے۔دوسری بات یہ کہ اس سے ترجمے میں قدرے پیچیدگی آسکتی ہے لیکن تحریر کے اسلوب کی منتقلی اسی طرز رسائی (Approch) میں مضمر ہے۔اگر مہدوف زبان (Target language) میں کوئی موزوں جملوں اور فقروں کی مدد سے تمام معنوں اور صوتی نزاکتوں اور کیفیتوں کے ترجمے کا اہتمام محذوف زبان کے ماحول، فضا، تہذیبی سانچے اور پورے لسانی نظام ترجمے والی زبان میں سلیقے سے ڈھال سکے کہ ترجمہ محدوف زبان میں پیوند نہ لگے۔

ترجمے کے دوران خاص طور پر یہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب دونوں زبانیں ایک ہی خاندان سے تعلق نہ رکھتی ہوں۔مثال کے طور پر فارسی اور عربی شاعری کا ترجمہ اردو کی بہ نسبت کسی دوسری زبان میں زیادہ مشکل ہوگا کیوں کہ فارسی، عربی اور اردو شاعری میں بحریں اوزان مشترک ہیں۔نیز ان کی لفظیات، تلمیحات، اور تشبیہات و استعارات وغیرہ بھی تقریباً ایک مشترک تہذیبی پس منظر رکھتی ہیں۔اس کے برخلاف انگریزی یا کسی اور زبان کا تہذیبی و فکری پس منظر قطعی مختلف ہوگا۔

لہٰذا ایسی زبان میں ترجمہ کرنا مشکل ہوگا۔

ترجموں کی کئی قسموں میں سے ایک قسم چھپا (Convert) ترجمہ ہیں جو عام طور سے اصل متن کے تہذیبی و ثقافتی سانچے سے آزادی لے کر ترجمہ کرنے کے نتیجے میں منظر عام پر آتا ہے۔ اور یہ چھپا ترجمہ اسی لیے کہلاتا ہے کیونکہ ترجمہ لگتا ہے۔ اس قسم کے ترجمے کے پس پشت متعدد وجوہ ہوسکتی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ اصل متن کے تہذیبی ڈھانچے اور محدوف زبان کے تہذیبی سانچے میں کافی فرق پایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آزادی لینا اور اپنی زبان میں مفہوم کچھ اس طرح سے پیش کرنا کہ بنیادی متن کے علم کا احساس ہی نہ ہو۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اصل متن نہایت اہم ہو۔ لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر مہدوف زبان میں صرف مواد کی منتقلی ہی مقصود ہو اور مترجم اس مواد کو اپنے فنکارانہ طریقہ سے اتنی موثر زبان و بیان اور اسلوب کا استعمال کر کے پیش کرتا ہے کہ پورا مواد ایک نئی تصنیف کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چھپے ترجمے میں تخلیقیت اور جدت طرازی کا مظاہرہ کرنے کے لیے مترجم بڑی ہوشیاری سے تہذیبی فلٹر کی تدبیر استعمال کرتا ہے۔ اس تہذیبی فلٹر کے توسط سے مترجم ثقافتی تخصیص (Cultural Specificity) کے مسئلے سے بہ حسن خوبی نبرد آزما ہونے کے لیے ترجمے کی تکنیک کے انتخاب میں اور اس کے عمل کے دوران آزادی لیتا ہے اور مہدوف زبان کے تہذیبی سانچے میں اصل متن کی تہذیبی نزاکتوں، باریکیوں اور لطافتوں کو بحسن خوبی اور بہ تمام و کمال از سر نو زندہ و تابندہ کرتا ہے۔ اور ترسیل کو رواں دواں کرتا ہے۔ اس طرح سے ثقافتی فلٹر ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے توسط سے مترجم ثقافتی تخصیص کا مہدوف زبان میں ازالہ ڈھونڈتا ہے۔ تہذیبی یا ثقافتی فلٹر کو مترجم اتنی مہارت کے ساتھ ترجمہ شدہ متن کے تانے بانے میں پیوست کرتا ہے کہ پیوندکاری یا رفوگری کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ دراصل تہذیبی فلٹر کی تدبیر میں مترجم اصل متن کو مہدوف زبان کے کلچر کے فرد کے عینک سے دیکھتا ہے۔

علاوہ ازیں ترجمے کے دوران اس طرح کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے متعدد طریقوں میں سے کچھ طریقے یہ ہیں۔ پہلے طریقے کے تحت تہذیب و ثقافت سے پر لفظ، اصطلاح بجنسہ اخذ کی جاسکتی ہے اور اسے قبولِ عام کا درجہ دینے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

دوسرے طریقے کے تحت اصل متن کے پیرائیہ اظہار کو بجنسہ اپنایا جاسکتا ہے کیوں کہ بہت سے اسالیب ایسے ہیں جن کا گہرا تعلق مخصوص زبان اور ثقافت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے سے مہدوف زبان و ثقافت میں اسلوبی تنوع آئے گا اور مسئلے کا حل بھی نکل آئے گا۔

تیسری طریقے کے تحت سنت عمل موافق یا حسب منشا تبدیلی سے کام لیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت تبدیلی سے کام بحسن وخوبی نکل سکتا ہے لہٰذا جزوی تبدیلی سے کام چلایا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہنے کے بجائے کہ مشین میں فلٹر لگا ہوا ہے یہ کہنا شاید بہتر ہوگا کہ مشین فلٹر دار ہے۔

چوتھے طریقے کے تحت مشکل لفظ یا اصطلاح کی شرح یا تفسیر بیان کی جاسکتی ہے۔ جس سے تہذیب و ثقافت پر لفظ یا

اصطلاح میں پیوست معنی ومفہوم کھل کر قارئین کے سامنے آئے گا۔ پانچویں طریقے کے تحت تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔بعض وقت لفظ واصطلاح یا فقرے میں کہیں کہیں ہلکی سی پیچیدگی ہوتی ہے، جسے دور کرنے کے لیے ہلکا پھلکا تبصرہ کافی ہوتا ہے لہٰذا تبصرہ کا طریقے بھی اپنایا جاسکتا ہے۔چھٹویں طریقے کے تحت تشریح لفظ یا اصطلاح کی تعریف بیان کی جاسکتی ہے اوراسی طرح سے رکاوٹ دور کی جاسکتی ہے۔ساتویں طریقے کے تحت لفظ اصطلاح یا اقتباس میں کہی گئی بات کو دوسرے لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔اس سے بھی اس طرح کی رکاوٹیں دور ہوسکتی ہیں۔مذکورہ بالا تمام طریقوں میں سے کہاں پر کون سا طریقہ مناسب اور بہتر ہوگا اس بات کا انحصار مترجم کی جملہ صلاحیت ،فہم، زبان دانی ،موضوع ومواد پر گرفت، سیاق سباق کی تفہیم اور خلوص و کام کے تئیں انتساب پر ہے۔

## 4.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے پڑھا کہ ترجمہ کے باوصف علوم کے دروازے سبھی کے لیے کھل جاتے ہیں۔آپ نے یہ بھی پڑھا کہ کسی تحریر یا تالیف کوکسی دوسری زبان میں بجنسہ منتقل کرنے کوترجمہ کہتے ہیں۔علاوہ ازیں اس اکائی میں آپ نے پڑھا کہ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعے کو کہتے ہیں اور چوں کہ دوزبانوں کی موشگافیوں سے مترجم کوسابقہ پڑتا ہے اورکسی ایک زبان میں پیوست معانی ومفاہیم کودوسری زبان میں منتقل کرنے کے مسائل سے مترجم کونبردآزما ہونا پڑتا ہے۔لہٰذااس اکائی کے مطالعے سے آپ کوترجے اورلسانیات کے درمیان ایک گہرے رشتے سے کماحقہ واقفیت ہوئی ہوگی۔مزید برآں ترجے کے دوران لسانی رکاوٹوں اوران کے ازالے کے بارے میں بھی آپ کوعلم حاصل ہوا ہوگا۔

اس اکائی میں آپ نے یہ بھی پڑھا کہ کسی بھی تحریر کی چار سطحیں ہوتی ہیں۔یعنی لسانی ،معلوماتی ،تہذیبی اور کیفیاتی۔اچھی تحریر مذکورہ چاروں سطحوں کی کمیت اورنوعیت وکیفیت کے اعتبار سے متناسب اہتمام کرتی ہے تاہم ہرتحریر میں کوئی نہ کوئی پہلو حاوی ہوسکتا ہے۔مترجم کومصنف کی مذکورہ چار پہلوؤں کی ترجیحی ترتیب کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ثقافت کیا ہے اورترجے اورثقافت میں کتنا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ترجے کے دوران ثقافتی رکاوٹیں اس لیے آتی ہیں کہ دوزبانوں کے بولنے والوں کے درمیان کم وبیش ثقافتی فرق پایا جاتا ہے،لہٰذا ترجے کے دوران ثقافتی رکاوٹوں کودورکرنے کے طریقوں سے بھی واقفیت حاصل ہوئی ہوگی۔اس اکائی میں آپ نے یہ بھی پڑھا کہ کسی دوزبان کے بولنے والوں کے درمیان لسانی اور ثقافتی فرق جتنا زیادہ ہوگا ترجے کا عمل اتنا ہی دشوار ہوگا تاہم اس اکائی میں ان دشواریوں کودورکرنے کے طریقوں کے بارے میں بھی آپ نے واقفیت حاصل کی۔

## 4.10 فرہنگ

| | | | |
|---|---|---|---|
| متنوع | قسم قسم کا | بجنسہ | ہوبہو، ویسا ہی |
| جزولاینفک | اٹوٹ حصہ | پیکر | چہرہ،شکل،صورت |

| | | | |
|---|---|---|---|
| پیکر | چہرہ،شکل،صورت | آمد | آنا،خود سے خیال |
| آورد | لانا،تکلف،بنانا | خیاباں | پھلواری،کیاری |
| اسرار | راز،بھید | حلول | تحلیل ہونا،گھلنا |
| لطافت | عمدگی،نرمی،نزاکت،باریکی | مافی الضمیر | جو چیز دل میں ہو |
| شانہ بشانہ | کاندھے سے کاندھا ملاکر | موشگافی | باریک بینی |
| نبردآزما | مقابلہ کرنا | قوت گویائی | بولنے کی قوت |
| نطق | بولنے کی قوت | موہوم | وہمی،قیاسی،فرضی |
| مشتق | نکلا ہوا،لیا گیا | حتمی | مستقل،مضبوط،آخری |
| ماہیت | حقیقت،کیفیت،اصل | مدارج | مدرج کی جمع،درجے،رتبے |
| فوقیت | برتری،بزرگی | موسوم | نام رکھا گیا |
| قوت متخیلہ | تخیل میں پرواز کرنے کی قوت | امتداد زمانہ | زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ |
| ماورا | پرے،اس پار | مہمیز کرنا | گھوڑے کو ایڑ لگا کر چلانا |
| آمیزش | ملاوٹ | اختلاط | میل،جول،پیار،اخلاص |
| میراث | ورثہ،ترکہ | شاہکار | سب سے بڑا کارنامہ |
| ممیّز | پہچانا گیا | اذہان | ذہن کی جمع،ذہن |
| قلوب | قلب کی جمع،دل | کمیت | مقدار |
| انبساط | خوشی | حزن | ملال،رنج،غم |
| نشاط | خوشی | دینا مافیہا | دینا اور جو کچھ اس میں ہے |
| کورنش بجالانا | آداب بجالانا | مسخ | شکل بگڑ جانا |
| قوسین | قوس کی جمع،نصف دائرہ | کماحقہ | جیسا اس کا حق ہے |
| فقدان | نہ ہونا،کم ہونا | خرقہ | گدڑی،درویشوں کا لباس |
| رند | شرابی | ساقی | شراب پلانے والا حقہ،پلانے والا |
| قشقہ | تلک | زنار | جینو |
| عین | آنکھ،حقیقت،ہوبہو | تطہیر | پاک ہونا |
| کلیدی | اہم،بنیادی | وثوق | اعتماد،بھروسہ |
| خیاباں | پھلواری،کیاری | | |

رموز — رمزی کی جمع اور جس کے معنی اشارہ اور پہیلی کے ہوتے ہیں

## 4.11 نمونہ امتحانی سوالات

### معروضی جوابات کے حامل سوالات:

(1) بولیوں کے مطالعے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

(2) کسی بھی متن کے ترجمے کی چار سطحیں کون سی ہوتی ہیں؟

(3) ماہر لسانیات تجویزی اصول (Prescriptive Rules) کو ملحوظ رکھتا ہے یا پھر زبان کا تجزیہ کر کے توضیعی اصول (Descriptive Rules) پیش کرتا ہے؟

(4) ہر زبان کا اپنا علاقائی ’جنسی اور طبقاتی‘ کردار ہوتا ہے۔صحیح یا غلط؟

(5) ترجمہ کے اعتبار سے مہدف زبان (Target Language) کسے کہتے ہیں؟

(6) اشارے کو الفاظ پر کیا فوقیت حاصل ہے؟

(7) ثقافت سے متعلق دو بنیادی نظریات کون سے ہیں؟

(8) کتاب ’ترجمہ کا فن اور روایت‘ کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(9) ماہر لسانیات نے زبان کی کون سی تین صورتیں بتائی ہیں؟

(10) کتاب ’فن ترجمہ نگاری‘ کے مصنف کون ہیں؟

### مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ترجمے کا فن پر مختصراً روشنی ڈالیے۔

2۔ لسانیات سے کیا مراد ہے؟ اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

3۔ ثقافت کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے تشکیلی اجزاء پر جامع روشنی ڈالیے۔

### طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ترجمے کے دوران لسانی رکاوٹوں اور انہیں دور کرنے کے طریقوں پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

2۔ ترجمے کے دوران ثقافتی رکاوٹوں اور انہیں دور کرنے کے طریقوں پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

3۔ ترجمے کا زبان اور ثقافت سے رشتہ کیا ہے؟ مدلل بحث کیجیے۔

## 4.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ | پروفیسر قمر رئیس | ترجمہ کا فن اور روایت |
| 2۔ | ڈاکٹر خلیق انجم | فن ترجمہ نگاری |
| 3۔ | مرزا حامد بیگ | ترجمے کا فن |
| 4۔ | نثار احمد قریشی | ترجمہ: روایت وفن |
| 5۔ | اعجاز راہی | اردو زبان میں ترجمے کے مسائل |

# اکائی 5۔ترجمے کے لیے دونوں زبانوں میں مہارت، نفس مضمون کا علم اور خصوصی مطالعہ

اکائی کے اجزا


5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 ترجمے کے تقاضے

5.3 ترجمے کے عمومی تقاضے

5.3.1 اصل زبان میں مہارت

5.3.2 ترجمے کی زبان میں مہارت

5.3.3 اصل زبان کے تہذیبی پس منظر سے واقفیت

5.4 ترجمے کے موضوعاتی تقاضے

5.4.1 علمی تراجم کے تقاضے

5.4.2 ادبی تراجم کے تقاضے

5.4.3 مذہبی تراجم کے تقاضے

5.4.4 قانونی تراجم کے تقاضے

5.4.5 صحافتی تراجم کے تقاضے

5.5 مترجم کی خصوصیات

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 فرہنگ

5.8 نمونہ امتحانی سوالات

5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 5.0 تمہید

ایک زبان سے دوسری زبان میں خیال ،فہم ،احساس ، جذبے اور علم کو منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ترجمے کی مدد سے دوسری زبانوں کے ادب اور دوسری قوموں کے فکری رجحانات سے آشنائی ہوتی ہے ۔علم کی وسعت، سائنسی ایجادات اور علمی تحقیقات کی کثرت سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں ترجمہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اس لیے بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ وہ کنجی ہے جس کے ذریعے علوم وفنون کے خزانے کھل جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں دوسری زبانوں سے ترجمے نہ کئے گئے ہوں۔ادب ، فلسفہ ،تاریخ ، مذہب ،سائنس اور دیگر بے شمار علوم کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے گئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

موجودہ زمانے میں ترجمے کو تخلیق کا درجہ دیا جاتا ہے۔ترجمے کو باز تخلیق (Recreation) بھی کہا جاتا ہے۔گویا یہ بھی ایک تخلیقی عمل ہے۔ترجمہ محض ایک زبان کے الفاظ کی جگہ دوسری زبان کے الفاظ میں رکھ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک زبان کے مطالب وخیالات کو ترتیب و تنظیم کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے۔سچ تو یہ ہے کہ ترجمے میں اصل کی ساری خوبیاں پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔تاہم اس میں اصل کی بہت سی خوبیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔

ترجمہ اپنی جگہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کی وجہ نئے الفاظ ،نئی اصطلاحیں ، نئے محاورے اور کہاوتیں اختراع کی جاتی ہیں۔ایسا ترجمہ تخلیق کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔دوسری طرف کسی متن کو اس کے حقیقی معنی ومفہوم اور مکمل سیاق وسباق کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے تو ایسا ترجمہ کرافٹ کا کام کرتا ہے۔اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اچھا ترجمہ آرٹ اور کرافٹ کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔یہ تخلیقی عمل بھی ہے اور ہنر مندی بھی۔ترجمے کو جب فن کہا جاتا ہے تو ہر فن کی طرح اس کے سبھی کچھ تقاضے ہیں جن کی تکمیل کے بغیر ترجمے میں حسن وخوبی اور فنی کمال پیدا نہیں ہوتا۔

## 5.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوں کہ:

- ☆ ترجمہ نگاری کی مہارت سے واقف ہوسکیں۔
- ☆ ترجمے کے موضوعاتی مسائل کو سمجھ سکیں۔
- ☆ ترجمے میں اصل زبان کے تہذیبی پس منظر کو سمجھ سکیں۔
- ☆ قانونی تراجم کے تقاضوں کو سمجھ سکیں۔
- ☆ مذہبی اور ادبی تراجم کے تقاضوں کو سمجھ سکیں۔
- ☆ ترجمے میں اصل زبان اور ترجمے کی زبان سے تراجم کی اہمیت کی اندازہ کرسکیں۔

## 5.2 ترجمے کے تقاضے

ترجمہ کے تقاضوں پر گفتگو کو آگے بڑھانے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ کسی بھی فن کے تقاضے اس کے اصولوں کی روشنی میں متعین ہوتے ہیں۔یعنی ہم کسی فن مثلاً شاعری کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر یہ طے کر سکتے ہیں کہ پہلے شاعری کے کیا تقاضے ہیں یا مصوری کے اصولوں کی روشنی میں مصوری کے تقاضوں کا تعین کیا جا سکتا ہے لیکن جب ہم ترجمے کے تقاضوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمہ کے کوئی عالمی اصول متعین نہیں ہے۔ یہ بات نہایت حیرت ناک ہے کہ دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ کر انجام دیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ترجمے کے ایسے اصول وضع نہیں کیے جا سکے جس پر سب کا اتفاق ہو۔

تھیوڈر ی ساوری نے اپنے مضمون ''آزاد اور لفظی ترجمہ'' میں ترجمہ کے متعلق ماہرین فن کے خیالات ونظریات کے اختلافات کی دل چسپ صورت حال پیش کی ہے۔

1۔ ترجمے میں اصل متن کے الفاظ کا ترجمہ ہونا چاہیے۔
2۔ ترجمے اصل متن کے معانی ومفاہیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔
3۔ ترجمہ اصل تصنیف کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
4۔ ترجمہ کو ترجمے ہی کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
5۔ ترجمے میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک ہونی چاہیے۔
6۔ ترجمہ کو مترجم کے منفرد اسلوب کا نمائندہ ہونا چاہیے۔
7۔ ترجمہ اصل متن کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
8۔ ترجمہ کو مترجم کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔
9۔ ترجمے میں اصل تصنیف سے حذف واضافہ کیا جا سکتا ہے۔
10۔ ترجمہ میں اصل متن سے حذف واضافہ کبھی ممکن نہیں۔
11۔ نظم کا ترجمہ نثر میں ہونا چاہیے۔
12۔ نظم کا ترجمہ نظم میں ہونا چاہیے۔

(تھیوڈر ی ساوری، مضمون آزاد اور لفظی ترجمہ، مترجمہ آصفہ جمیل، مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت۔مرتبہ، پروفیسر قمر رئیس)

ترجمے کی ماہیت، مقصدیت اور تکنیک کے متعلق ماہرین کے مندرجہ بالا خیالات فن ترجمہ کے ایسے اصول پیش کرتے ہیں، جن میں ہر پہلا اصول دوسرے اصول کی نفی کرتا ہے۔ان متخالف اور متناقص اصولوں کی روشنی میں ترجمہ کے تقاضوں یا مترجم کی خصوصیات کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے بجائے دونوں مکاتب فکر کے اصولوں کو لیتے ہوئے بین بین چلا جائے تا کہ ترجمے کے تقاضوں اور مترجم خصوصیات کے بارے میں بنیادی امور کا ایک واضح خاکہ ہمارے ذہن میں موجود رہے۔

## 5.3 ترجمہ کے عمومی تقاضے

ترجمہ کے عمل میں زیر ترجمہ مواد کی نوعیت کے لحاظ سے ترجمے کے تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ادبی تراجم کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور علمی تراجم کے تقاضے کچھ اور۔ لہٰذا دونوں کے تقاضوں پر الگ الگ گفتگو کرنا ضروری ہے۔ لیکن پہلے کچھ ایسے تقاضوں پر روشنی ڈالی جائے گی جو ہر طرح کے تراجم میں مشترک ہیں۔

### 5.3.1 اصل زبان میں مہارت

ہر نوعیت کے ترجمے کا اولین تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ مترجم کو زیر ترجمہ متن کی زبان جسے اصطلاحاً اصل زبان (Source language) کہا جاتا ہے اور ترجمہ کی زبان جو (Target Language) کہلاتی ہے، دونوں میں مہارت حاصل ہو۔ دونوں زبانوں کی واقفیت کے بغیر ترجمے کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ مترجم کو اصل زبان کی قواعد، اس کے محاوروں اور ضرب الامثال، صنائع و بدائع اور تاریخی وتہذیبی پس منظر سے اچھی طرح ہواقف ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ظ۔ انصاری لکھتے ہیں۔

"جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے اس زبان کی لغت سے، اصطلاحات اور محاوروں سے، کسی قدر ادبیات سے اور تھوڑی بہت تاریخ سے واقفیت اور نکھرا ہوا ذوق ضروری ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس زبان کی تصنیف کا ترجمہ کرنا ہے اس زبان پر بھی ترجمہ کرنے والے کو ماہرانہ عبور حاصل ہو، وہ اصل عبارت یا اصل تصنیف والی زبان میں خود بھی اسی طرح بے تکلف اور بے تکان لکھ سکتا یا بول سکتا ہو۔ بلکہ اس زبان کا صرف کتابی علم بھی نہ ہوا تو خیال کی نزاکتیں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ اصل عبارت کی نوک پلک پر ترجمہ کرنے والے کا دھیان نہیں جائے گا اور اسے ترجمے میں منتقل کرنے کی طرف سے غافل رہے گا۔"

آگے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''مترجم کو اصل زبان کا علم کم از کم اتنا ضروری ہو کہ وہ اصل عبارت کے سیاق وسباق کو سمجھ سکے یا پا سکے، فلاں قسم کا لفظ نظر انداز کر کے فلاں لفظ مصنف نے خاص اس مقصد سے رکھا ہے یہ مقصد اگر سمجھ میں آجاتا ہے تو ترجمہ کرتے وقت اس زبان میں جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس مقصد کو کسی ہم پلہ سے پورا کیا جاسکے ورنہ نہیں''

(ظ انصاری، مضمون۔ ترجمہ کے بنیادی مسائل۔ بشمول ترجمہ۔ روایت اور فن'')

اصل زبان سے سرسری واقفیت کے باوجود کامیاب ترجمے کی سب سے عمدہ مثال ڈپٹی نذیر احمد کے مضامین کا ترجمہ'' تعزیرات ہند'' ہے۔ مولوی نذیر احمد انگریزی میں شد بد رکھتے تھے لیکن ترجمہ کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ کئی زبانوں جیسے عربی، فارسی اور اردو پر عبور رکھتے تھے۔ اگر ایک زبان کے لفظ سے مطلب ادا نہ ہوتا تو دوسری زبان کا لفظ وہاں رکھ

دیتے۔ ان کے ترجمے کی خوبی یہ ہوتی تھی کہ لفظ کی جگہ لفظ بٹھاتے لیکن وہ لفظ ایسا ہوتا کہ وہاں نگینہ بن جاتا۔انہوں نے ''تعزیرات ہند''(Indian penal Code) کے ترجمے میں بھی لفظ پر وہی لفظ بٹھایا ہے جو معنی بھی پورے دیتا اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا۔کمال یہ ہے کہ یہ شاندار کارنامہ انہوں نے سو روپے کی رائل ڈکشنری کی مدد سے انجام دیا۔ (بحوالہ مرزا فرحت اللہ بیگ''ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی'' مرتبہ رشید حسن خاں) لیکن مولوی نذیر احمد کی مثال سے قطع نظر ہمیں مان کر چلنا ہوگا کہ مترجم کو اصل تصنیف یا اصل عبارت کی زبان کا علم جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی اس کے ترجمے میں عمدگی پیدا ہوگی۔

### 5.3.2 ترجمے کی زبان میں مہارت

ترجمے کے تقاضوں میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مترجم کو ترجمے کی زبان میں مہارت تام اور درست گاہ کامل حاصل ہونی چاہیے بلکہ اُسے اصل زبان سے زیادہ ترجمے کی زبان پر قدرت وعبور ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اسے ترجمے کی زبان میں خود لکھنے کی پختہ مشق ہونی چاہیے۔شمس الرحمان فاروقی کا خیال ہے کہ مترجم کو اپنی زبان میں محسوس کرنے اور سوچنے پر قدرت ہونی چاہیے۔

(بحوالہ شمس الرحمٰن فاروقی،مضمون دریافت اور بازیافت، مشمولہ فن ترجمہ نگاری، مرتبہ خلیق انجم)

بہر حال مترجم کا بذات خود مصنف یا تخلیقی فن کار ہونا ترجمہ کا اصل تقاضہ نہیں ہے۔اصل تقاضہ یہ کہ مترجم کو ترجمے کی زبان کی گہری آگہی ہو۔اسے اپنی زبان کے الفاظ کے ماخذ اور سرچشموں کا علم ہو۔ان کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے واقفیت ہو۔روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال کی اصلیت اور ان کے محل استعمال سے باخبر ہو اور سیاق وسباق کے اعتبار سے لفظ کے معنی میں ہونے والے بدلاؤ کا درک رکھتا ہو۔اس کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کے قدیم وجدید ادب پر نظر رکھے تاکہ وہ ترجمے کی زبان کے مختلف اسالیب سے واقف ہو اور اصل زبان کے اسلوب کے لیے ترجمہ کی زبان میں مناسب متبادل تلاش کر سکے۔

### 5.3.3 زبان کی تہذیبی پس منظر سے واقفیت

زبان اور تہذیب کی چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔کسی زبان میں پیش کئے گئے متن کو سمجھنے کے لیے نہ صرف زبان سے واقفیت ضروری ہے بلکہ زبان کی تہذیب کا علم بھی ضروری ہے۔ترجمہ دراصل کسی متن کو ایک تہذیبی فریم سے نکال کر دوسرے تہذیبی فریم میں پیش کرنے کا عمل ہے۔اس میں ایک تہذیب کے تصورات کو دوسری تہذیب کے پیکر میں ڈھالنا ہوتا ہے۔مترجم کا کام ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا نہیں بلکہ ایک تہذیبی معنویت کو دوسری تہذیبی معنویت میں منتقل کرنا ہے۔ کوئی خاص لفظ اپنے تہذیبی پس منظر میں ایک منشور کی طرح ہوتا ہے جس سے تصورات کے کئی رنگ پھوٹتے ہیں لیکن دوسری زبان میں اس کا ہم معنی لفظ اپنے تہذیبی سیاق میں تصورات کی اس ست رنگی چھوٹ سے عاری ہوتا ہے۔اس لیے ترجمے میں

مکھی پہ مکھی بٹھانے سے کام نہیں چلتا۔مترجم کو اصل متن کے تہذیبی تصورات کی ترجمے کی زبان میں بازآبادکاری کرنی پڑتی ہے۔اس کے لیے مصنف کی زبان کے تہذیبی عناصر اوراس کے تہذیبی رچاؤ کے سے واقف ہونا ضروری ہے۔

ایک زمانے میں ترجمے کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بالکل اصل معلوم ہو۔لیکن موجودہ زمانے میں اسے ترجمے کی خوبی نہیں بلکہ خامی تصور کیا جاتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ جب کسی متن کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو اس میں وہ روانی ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی جو خود اپنی زبان میں براہ راست لکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور جب ترجمے میں وہ روانی پیدا نہیں ہوسکتی کیسے معلوم ہوگا کہ ترجمہ اصل تخلیق ہے؟ مترجم کا فرض ہے کہ وہ مصنف کے لہجے اور طرز ادا کا خیال رکھے۔اصل لفظ اس کی جگہ محض ہم معنی یا قریب المعنی لفظ رکھنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ ضرورت پڑنے پر نئے مرکب بنائے۔نئی بندشیں تراشے اور نئے الفاظ وضع کرے۔ایسے ترجمے سے حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو سلالت وروانی تو پیدا کردے لیکن مصنف کی روح،اس کے لہجے اور تیور کو ہم سے دور کردے اور ساتھ ساتھ جس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہو اس کے مزاج کو اسی طرح روایتی روش اور اظہار بیان پر قائم رکھے اور اس میں کسی اضافے،اسلوب کے نئے امکان یا بیان کے نئے تجربے کی کوشش نہ کرے۔

ترجمہ کے عمومی تقاضوں پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ترجمے کے موضوعاتی کے تقاضوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

---

## 5.4 ترجمے کی موضوعاتی تقاضے

---

جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ ترجمہ ایک مشکل فن ہے اور اس کے تقاضے مخصوص اور متنوع ہیں۔دنیا میں علوم وفنون کی بے شمار قسمیں ہیں جیسے شعروادب،سائنس،سماجی اور مذہب وقانون وغیرہ۔ذیل میں کچھ اہم علوم کے ترجمے کے مخصوص تقاضوں مختلف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

### 5.4.1 علمی تراجم کے تقاضے

علمی تراجم میں تمام سائنس اور عمرانی علوم جیسے تاریخ،جغرافیہ،ساجیات،معاشیات،حیوانات،نباتات،طبیعات، کیمیا،انجینئرنگ اور دیگر ٹیکنالوجی کے علم شامل ہیں۔علمی تراجم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ غیر تخلیقی ہوں۔ان میں معلومات کی ترسیل اور نفسِ مضمون کے ابلاغ اور صحت مفہوم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔علمی تراجم میں اصل مسئلہ مواد کی منتقلی کا ہے اسلوب کا نہیں۔ اس کے لیے علمی تراجم میں اصل تصنیف کے خیال اور مفہوم کا صحیح ادراک اور اس کی ٹھیک ٹھیک ترسیل ضروری ہے۔خیال کے ساتھ قوت استدلال کا اظہار لازمی ہے۔طبعی اور عمرانی علوم میں جذبہ واحساس کے بجائے معلومات وافکار اور تجزیہ کا اظہار ہوتا ہے۔اس لیے اصطلاحات کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔علمی تراجم کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ حتی الامکان اصل تصنیف کی اصطلاحات کا متبادل ترجمے کی زبان میں بھی وضع کیا جائے۔ناگریز صورتوں میں اصطلاح کے ترجمے کے بجائے اصل اصطلاح جوں کی توں قبول کی جاسکتی ہے۔

### 5.4.2 ادبی ترجمے کے تقاضے

ادبی تراجم کو وسیع پیمانے پر دو حصوں یعنی منثور اور منظوم ترجمے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ منثور یعنی نثری تراجم میں مصنف کے خیال کے علاوہ جذبات، احساسات کیفیات، تاثرات اور اسلوب وغیرہ سبھی لوازمات کو ترجمے میں منتقل کرنا پڑتا ہے۔ ادبی تراجم میں فنی محاسن و جمالیاتی قدروں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جمالیاتی انبساط ایک پیچیدہ عمل ہے اس کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی کوئی میکانیکی فعل نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے بازتخلیق ہے۔ ادبی تراجم کا ایک اہم شعبہ منظوم ترجمہ کا ہے۔ منظوم ترجمے کا تقاضہ یہ ہے کہ اصل متن کے مرکزی خیال کے ساتھ ساتھ اصل کے آہنگ، موسیقی فضا اور صوتی اثرات کی بھی ترسیل کرے۔ منظوم ترجمے کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ منظوم ترجمہ زبان کی دل کشی، صنائع بدائع کے حسن، جمالیاتی کیفیت اور شعریت کے اوصاف سے متصف ہو۔

### 5.4.3 مذہبی تراجم کے تقاضے

مذہبی کتب تقدس کی حامل ہوتی ہیں ان میں لفظ قطعی اور مستقل اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس لیے ان کے ترجمے میں لفظ یا ترکیب کے مطابق لفظ اور ترکیب کا ہونا ضروری ہے۔ مقدس کتابوں میں جوش ان وشکوہ وجلال ہوتا ہے ان کی ترسیل کے لیے ترجمے کی زبان میں بھی اور پرشکوہ اور عالی شان الفاظ ومحاورات برتنے چاہئیں تاکہ اصل تقدس اور کیفیت کی بازآفرینی ہو۔

### 5.4.4 قانونی تراجم کے تقاضے

قانونی تراجم میں خصوصی احتیاط اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ قانون کی زبان نہایت جامع اور محتاط ہوتی ہے۔ اس میں ایک لفظ ادھر ادھر ہونے سے مفہوم میں فرق آجاتا ہے۔ اس لیے قانونی تراجم کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ وہ اصل کے وفادار رہیں۔ ان ترجموں کی زبان میں صحت اور قطعیت کا ہونا ضروری ہے۔

### 5.4.5 صحافتی تراجم کے تقاضے

صحافتی مواد چوں کہ عوام الناس کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے کے تقاضے ادبی یا علمی تراجم سے مختلف ہوتے ہیں۔ صحافتی تراجم کو سادہ اور عام فہم ہونا چاہیے۔ صحافتی تراجم میں طویل، پیچیدہ اور مرکب جملے نہ ہو۔ ترجمے میں عام بول چال کی زبان استعمال کی جائے۔ جملے مختصر ہوں اور کفایت لفظی کے ساتھ ابلاغ وترسیل کا فعل انجام دیتا ہوں۔

## 5.5 مترجم کی خصوصیات

ترجمہ ایک صبر آزما اور دقت طلب کام ہے۔ اس میں مہارت اور کمال پیدا کرنے کے لیے مترجم کو کچھ مخصوص خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ایک اچھے مترجم کی خوبیوں اور خصوصیات کے بارے میں مختلف ماہرین نے مختلف خیال

کا اظہار کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح ترجمے کی مختلف اقسام کے ساتھ اس کے تقاضے بھی بدلتے جاتے ہیں اسی طرح مختلف علوم ،مختلف موضوعات اور مختلف اصناف میں ترجمے کا کام انجام دینے والوں کی خصوصیات بھی الگ الگ نوعیت کی ہوتی ہیں۔ایک کامیاب مترجم میں پائے جانے والی خصوصیات کے بارے میں مختلف ماہرین کے خیالات درج ذیل ہیں۔

شاہ پرتگال کنگ ڈیوارٹ (1391-1438) نے ''دی لائل کونسلر'' نامی کتاب میں مترجم کی پانچ خصوصیات بیان کی ہیں۔

1۔ مترجم اصل متن کے معانی کو سمجھے اور ترجمہ میں انہیں کسی تبدیلی کے بغیر بہ تمام مکمل منتقل کرے۔

2۔ مترجم ترجمے میں ترجمے کی زبان کا روزمرہ اور محاورہ استعمال کرے۔اصل متن کی زبان سے مستعار نہ لے۔

3۔ مترجم ترجمے کی زبان میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو اصل زبان کے راست اور مناسب متبادل ہو۔

4۔ مترجم درشت اور ناپسندیدہ الفاظ سے گریز کرے۔

5۔ مترجم ان تمام اصولوں کی پابندی کرے جو عبارت نگاری کا لازمہ ہیں یعنی اس کی تحریر واضح ،قابل فہم اور مفید ہو۔

اسی طرح (Etienne Dlolet) (1509-1546) اپنی کتاب The best way translating from one language to another میں لکھتے ہیں کہ مترجم کو چاہیے کہ:

1۔ اصل معنی کو سمجھے۔

2۔ اصل زبان اور ترجمے کی زبان پر عبور رکھے۔

3۔ لفظی ترجمے سے گریز کرے۔

4۔ ترجمے میں بامحاورہ زبان استعمال کرے۔

5۔ الفاظ کے انتخاب اور ترتیب میں احتیاط برتتے ہوئے جملوں میں مناسب آہنگ پیدا کرے۔

مذکورہ ماہرین فن ترجمہ میں مترجم کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان میں انھوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ظاہر ہے آج کے بدلے ہوئے تقاضوں میں ان کے خیالات سے صد فیصد اتفاق کرنا مشکل ،تاہم ان کی بیان کی ہوئی کئی باتیں آج بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

مذکورہ خصوصیات سے قطع نظر مترجم کو ترجمے کا ذوق وشوق بھی ہونا چاہیے۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اسے ترجمے کے کام سے فطری مناسبت ہو۔اگر کسی ترجمے سے فطری مناسبت نہ ہوتو وہ ترجمے کا کام ٹھیک ڈھنگ سے انجام نہیں دے سکتا۔ فطری مناسبت کی بدولت مترجم ترجمے کا کام شوق وانہاک سے کرے گا اور اس کا ترجمہ اعلیٰ درجے کا ہوگا۔

لغات بالخصوص ذو لسانی لغات مترجمین کے لیے مطالعہ کے اہم ترین وسیلے ہیں۔مترجم کا مطالعہ وسیع ،عمیق اور متنوع ہونا چاہیے۔ترجمہ میں ذخیرۂ الفاظ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔مترجم کا مطالعہ جس قدر وسیع اور ہمہ جہتی ہوگا اس کا ذخیرۂ الفاظ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔مختلف علوم کی لفظیات واصطلاحات سے اسی قدر مالا مال ہوگا جس سے مترجم کو ترجمے میں بڑی مدد ملے

گی ۔لہٰذا اسے چاہیے کہ فنون لطیفہ،فلسفہ،نفسیات، سائنس، مذہب، معاشیات، سیاسیات غرض یہ کہ ہرطرح کے مضامین اور زندگی کے ہرشعبے سے متعلق کتابوں کومطالعہ میں رکھے۔

ترجمہ ایک فن ہے۔دیگرفنون کی طرح اسے بھی باقاعدہ سیکھنے اس کی ترتیب حاصل کرنے اوراس میں کمال پیدا کرنے کے لیے مستقل اورمسلسل مشق اور ریاض کی ضرورت ہوتی ہے۔مترجم کو چاہیے کہ ترجمے کےفن کا باضابطہ اکتساب کرےاوراس میں مشق بہم پہنچائے۔

ترجمہ خلوص ،موضوع سے مکمل وابستگی اور ذہنی مشقت کا متقاضی ہوتا ہے۔مترجم کومحنت کش اور مستقل مزاج ہونا چاہیے۔مترجم کوعجلت پسند اور جلد بازی سے کام لینا چاہیے۔جلد بازی میں کیا گیا ترجمہ غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔مترجم کولغت سے رجوع کرنے میں تن آسانی یا تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔اُسے یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی شخص ہمہ دان نہیں ہوسکتا۔مترجم خواہ کتنا ہی قابل ہواوراس کا ذخیرۂ الفاظ خواہ کتنا وسیع ہوترجمے کے وقت بعض اوقات اسے لغت دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔لغت دیکھنے میں کاہلی سے کام لینا یا اسے کسرشان سمجھنا غلطی ہے۔ڈاکٹرسہیل عظیم احمد خاں لکھتے ہیں:

> ''ایک مشہورمترجم سے میں نے اس کے ترجموں کی کامیابی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے انکساری سے یہ کہا کہ لغت میں دیکھ لیتا ہوں۔باقی لوگ اس کام میں سبکی محسوس کرتے ہیں۔''

(ڈاکٹرسہیل احمد خان،مضمون: ترجمہ،تالیف،تلخیص اوراخذ کرنے کافن،مشمولہ،ترجمہ،روایت اورفن)

دوران ترجمہ مترجم کوصرف ایک لغت سے نہیں بلکہ کئی لغات سے بار بار رجوع کرنا لازمی ہے۔اسے نہ صرف ان لغات کودیکھنا پڑے گا،جن الفاظ کے معنی بیان کیے گئے ہیں بلکہ ان لغات پربھی نظرڈالنی ہوگی،جن میں اصطلاحوں کے ترجمے اصطلاحوں کی صورت میں دیے گئے ہیں۔موضوع مخصوص فرہنگ اصطلاحات کوپیش نظر رکھنا ضروری ہے۔لغات سے بار بار رجوع کرنا ایک صبرآزما اورمحنت طلب کام ہے لیکن اچھے مترجم کے لیے صبر اور محنت کا مظاہرہ ناگزیر ہے۔اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ لغت کا کام ترجمے میں مدد دینا ہے اورلغت ترجمے میں کام دیتا ہے لیکن ایک حدتک جو چیز لغت سے زیادہ کارآمد ہے وہ اس زبان کاوسیع اورعام مطالعہ ہے جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے۔

مترجم کوزیرترجمہ کتاب کےموضوع یامضمون سے بھی گہرا شغف اور ذہنی لگاؤ ہونا چاہیے۔کسی علمی مضمون یا کتاب کا ترجمہ وہی کرسکتا ہے،جس اس کے موضوع سے دلچسپی ہو۔جس مترجم کوکسی خاص موضوع کی کتاب یا مضمون سے دلچسپی اور انسیت نہ ہو،اسےصرف زبان دانی کے بل پراس علم یا مضمون کی کتاب کا ترجمہ ہرگزنہیں کرنا چاہیے۔یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ ہرعلم کا ماہراپنےعلم کی کتاب کا ترجمہ جس بہترطور پرکرسکتا ہے،دوسرےعلوم کی کتابوں کا اس بہترڈھنگ سے انجام نہیں دے سکتا۔

ترجمہ اصل متن کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کا نام ہے۔ جو شخص کسی متن کو خود نہ سمجھتا ہو وہ دوسروں کو کیا سمجھا سکتا ہے۔ اس لیے مترجم پر لازم ہے کہ کسی تصنیف کا ترجمہ کرنے سے قبل اس علم کی ضروری کتب کا مطالعہ کرے تاکہ اس علم کے اہم مباحث اور دیگر مشمولات کو صاف اور واضح طور پر بیان کر سکے۔ جب تک اصل متن کے نکات اور مطالب مترجم کے لیے آئینہ نہ ہو جائیں وہ ترجمے کے آئینے میں اس کا صحیح عکس پیش نہیں کر سکتا۔

موضوع سے شغف اور اصل عبارت کے مکمل فہم کے ساتھ ساتھ مترجم میں یہ خاصیت بھی ہونی چاہیے کہ اگر وہ کسی صاحب طرز ادیب یا مخصوص رجحان اور خاص ذہنیت کے مصنف کی تصنیف کا ترجمہ کر رہا ہو تو اس ادیب یا مصنف کے طرز بیان، رجحان اور ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہو۔ ماہرین کا خیال ہے کہ موثر ترجمے کے لیے مترجم کو اصل عبارت کے مصنف کے حالاتِ زندگی، اس کے مزاج، فلسفۂ حیات اور اسلوب کا علم ہونا چاہیے۔ ان نکات سے لاعلمی کے سبب اصل تصنیف کے لیے بعض اشارے، کنایے اور نزاکتیں مترجم کی گرفت میں آنے سے چھوٹ جاتی ہیں جن پر پوری تصنیف کے لطف یا اہمیت کا دارومدار ہوتا ہے۔ اچھے ترجمے کے لیے مصنف کی سوانح وشخصیت کے علاوہ اس کے لسانی رویے، مخصوص الفاظ، تراکیب، محاوروں اور استعاروں سے اس کے لگاؤ اور اس کے پسندیدہ تشبیہات وغیرہ سے گہری واقفیت ضروری ہے علاوہ ازیں مترجم کو مصنف کے دور کے سیاسی ومعاشی اور تہذیبی وثقافتی پس منظر، اس کے عہد کے اقدار وروایات تحریکات و رجحانات اور دیگر زمانی مکانی حوالوں کو بھی پیش نظر رکھنا ناگزیز ہے۔

مترجم کو اپنے مترجم ہونے اور ذولسان ہونے پر فخر ہونا چاہیے اور کسی بھی طرح کی احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہیے نیز اصل تخلیق کے تیئں مکمل طور پر اس تخلیق کے تیئں مکمل طور پر وفادار ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ متن کے تیئں مکمل وفاداری کو قبول کیے بغیر اچھا ترجمہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح مترجم میں خودنمائی کی خواہش بھی نہیں ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ متن کے تیئں مکمل وفاداری کو قبول کیے بغیر اچھا ترجمہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح مترجم میں خودنمائی کی خواہش بھی نہیں ہونی چاہیے بلکہ دوسری زبان کی شاہ کار کو اپنی زبان مین منتقل کرنا یا ادبی اسالیب میں تازگی پیدا کرنا ہے۔

ترجمہ کے دوران اپنی ذات کی نفی کے ساتھ ساتھ مترجم میں یہ صلاحیت بھی ہونا چاہیے کہ اصل مصنف کے باطن میں جھانک سکے۔ اس کے ذہنی وفکری میلانات اور جذباتی لہروں اور نفسیاتی کیفیات سے آشنائی پیدا کر سکے۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود، خیال، جذبے اور قلم کو اصل مصنف کے حوالے کر دے یعنی یہ سوچے کہ فلاں خیال جملے محاورے یا عبارت کو مصنف اگر ترجمے کی زبان مین لکھتا تو کیسے لکھتا۔ اس سلسلے میں پروفیسر نصیر احمد خان لکھتے ہیں۔

> ''دراصل صحت منداور کامیاب ترجمہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم لکھنے والے کے ذہن میں سفر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم ان کیفیات اور احساسات سے گزر سکتے ہیں۔ جو تصنیف کا باعث بنی ہیں۔ اس طرح ترجمہ ہونے

والے فن پارے کی روح تک پہنچا جا سکتا ہے۔ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلے یں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آنا ہے کہ دونوں قالبوں میں ایک ہی روح ہو۔ یہاں لباس ،جسم اور روح سے مراد ترجے کی زبان ،اصل عبارت کا مرکزی خیال اور وہ تاثر ہے جو پڑھنے کے بعد دل و دماغ میں قائم ہوتا ہے۔‘‘

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ ہر علم وفن کے ترجے کے کچھ مخصوص تقاضے ہوتے ہیں۔مترجم میں ان تقاضوں کی کما حقہ تکمیل اور ترجمہ کی خاصیت ہونی چاہیے۔

## 5.6 اکتسابی نتائج

ترجمہ ایک خاص فن ہے جس کا تعلق ایک خاص ادبی تہذیبی سرگرمی سے ہے۔ ہر فن کی طرح ترجمے کے بھی خاص تقاضے ہیں۔ترجمے کے تقاضوں کو ہم دو زمروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1)عمومی تقسیم (2)موضوعاتی تقاضے

ترجمے کے عمومی تقاضے یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| اصل زبان میں مہارت : | اصل زبان سے مراد زیر ترجمہ متن کی زبان ہے۔ترجمے کی اصل زبان پر عبور و مہارت لازمی ہے جس کے بغیر متن کے مفاہیم اور مطالب کو سمجھنا ناممکن ہے۔ |
| ترجمے کی زبان میں مہارت : | اصل زبان کے ساتھ ساتھ جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس میں بھی کامل مہارت ضروری ہے۔ بلکہ اصل زبان کے مقابلے میں ترجمے کی زبان پر کہیں زیادہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ اصل زبان کے متن کو صرف سمجھنا ہوتا ہے جب کہ ترجمہ کی زبان میں اس متن کو فنی ،موضوعی اور لسانی نزاکتوں کے ساتھ بیان کرنا ہوتا ہے۔ |
| اصل زبان کے تہذیبی پس منظر سے واقفیت : | زبان اور تہذیب ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔زبان کے بغیر تہذیب اور تہذیب کے بغیر زبان کو سمجھنا ناممکن ہے۔<br>ترجمہ دراصل کسی متن کو ایک تہذیبی سیاق سے نکال کر دوسرے تہذیبی پیکر میں ڈھالنے کا کام ہے اس لیے زبان کی تہذیبی روایات اور ثقافتی اقدار سے اچھی واقفیت ترجمے کے لیے ضروری ہے۔ |

ترجمے کے موضوعاتی تقاضوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| علمی تراجم کے تقاضے | : | علمی تراجم میں سائنسی اور عمرانی علوم اور ٹیکنالوجی کے مضامین کے ترجمے شامل ہیں۔ علمی ترجموں میں تین اہم تقاضے ہوتے ہیں۔ موضوع سے دلچسپی وشغف، معلومات کی صحیح ترسیل اور موزوں اصطلاحات کا استعمال۔ |
| ادبی تراجم کے تقاضے | : | ادبی تراجم کا کام نہایت مشکل ہوتا ہے۔ ان میں مصنف کے خیال کے علاوہ جذبات و احساسات، کیفیات اور تاثرات کو سمجھنا اور انہیں ترجمے میں منتقل کرنا لازمی ہے۔ اس کیساتھ ساتھ شعر وادب کے جمالیاتی تقاضوں اور فنی قدروں کی پاسداری بھی کرنا پڑتی ہے۔ |
| مذہبی تراجم کے تقاضے | : | مذہبی کتابیں تقدس اور جلال کی حامل ہوتی ہیں۔ ان کے ترجمے میں زبان اور اسلوب کو جلال اور شکوہ سے پر ہونا چاہیے۔ |
| قانونی تراجم کے تقاضے | : | قانونی تراجم میں لفظ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیوں کہ لفظ کے تغیر سے قانون کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اس لیے قانونی تراجم لفظی ترجمے پر مبنی ہونے چاہئیں۔ |
| صحافتی تراجم کے تقاضے | : | صحافتی تراجم میں "ادبیت" سے زیادہ مواد کی ترسیل کی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے صحافتی تراجم کی زبان سادہ اور عام فہم اور اسلوب سلیس اور شفاف ہونا چاہیے۔ |

ترجمے کے مندرجہ بالا تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مترجم کو کچھ مخصوص خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔ جو درج ذیل ہیں۔:

- ☆ مترجم کو ترجمے کا ذوق ہونا چاہیے۔ اسے ترجمے کے کام سے شغف اور فطری مناسبت ہونی چاہیے۔
- ☆ مترجم کو اصل تصنیف کی زبان اور ترجمے کی زبان کما حقہ عبور ہونا چاہیے۔
- ☆ مترجم کا مطالعہ وسیع اور عمیق ہونا چاہئے۔
- ☆ مترجم کو ذہین، محنتی اور مستقل مزاج ہونا چاہیے۔
- ☆ مترجم کو زیر ترجمہ کتاب کے موضوع سے بھی دلچسپی اور اس میں مہارت ہونی چاہیے۔
- ☆ مترجم کے لیے کسی تصنیف کے ترجمے سے قبل اس علم کی ضروری کتب کا مطالعہ بھی لازمی ہے۔
- ☆ مترجم کو اصل عبارت کے مصنف کی حیات وفلسفہ حیات، اس کی زبان واسلوب اور اس کے عہد کے تاریخی وتہذیبی پس منظر کی واقفیت رکھنا ضروری ہے۔
- ☆ مترجم میں خود پسندی نہیں بلکہ اطاعت وانکساری کا جذبہ ہونا چاہیے تاکہ اصل متن کی پوری تقلید کر سکے اور اپنی ذات کو بالائے طاق رکھ کر اصل مصنف اور فن پارے کی روح تک پہنچ سکے۔

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY Estd. 1998

## 5.7 فرہنگ

| | | |
|---|---|---|
| سلیس | : | آسان، سادہ |
| شفاف | : | بالکل صاف، شیشے کی طرح |
| عبور | : | واقف ہونا، حاوی ہونا |
| شکوہ | : | شان وشوکت، رعب |
| انکساری | : | منکسر، عاجزی، خاکساری |
| کما حقہ | : | ٹھیک ٹھاک، بخوبی، جیسا کہ اس کا حق ہو |
| عبور | : | حاوی ہونا |
| سبکی | : | آہٹ، آہستہ، ہلکے سے |
| عجلت | : | جلد بازی |
| قطعیت | : | یقینی، حتمی |
| تقدس | : | مقدس، پاک، پاکیزہ |

## 5.8 نمونہ امتحانی سوالات

**معروضی جوابات کے حامل سوالات؛**

1۔ ترجمہ ''تعزیرات ہند'' کس کا ہے؟

2۔ موجودہ زمانے میں ترجمے کا بالکل اصل معلوم ہونا اس کی خوبی مانی جاتی ہے یا خامی؟

3۔ کس قسم کے ترجمے میں لفظ قطعی اور مستقل اہمیت کا حامل ہوتا ہے؟

4۔ کتاب 'دی لائل کونسلر' کے مصنف کا نام لکھیے۔

5۔ کتاب 'The best way translation from one language to other' کے مصنف کا نام لکھیے۔

**مختصر جوابات کے حامل سوالات**

1۔ ترجمے میں اصل زبان کے تہذیبی پس منظر پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ قانونی ترجم کے تقاضوں پر مختصر روشنی ڈالیے۔

3۔ صحافی ترجم کے تقاضوں پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

**طویل جوابات کے حامل سوالات**

1۔ ترجمے میں اصل زبان اور ترجمے کی زبان سے مترجم کی واقفیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

2 ۔ ترجمے کے موضوعاتی مسائل پر ایک جامع نوٹ لکھیے ۔.

3۔ مترجم کی خصوصیات سے بحث کیجیے۔

## 5.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

| | |
|---|---|
| ترجمے کا فن اور روایت | ڈاکٹر قمر رئیس |
| فن ترجمہ نگاری | ڈاکٹر خلیق انجم |
| ترجمہ: روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد | نثار احمد قریشی |
| اردو سیمینار: اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد | اعجاز راہی |
| انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ | ڈاکٹر حسن الدین احمد |

# اکائی 6۔ترجمے میں محاورے اور قواعد زبان ( گرامر ) کے مسائل، درست الفاظ کا استعمال، مترادفات (Synonyms) اور متضادات (Antonyms)

اکائی کے اجزا


6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 محاورے کی تعریف

6.2.1 لغوی معنوں سے محاورے کے معنی کا مختلف ہونا

6.2.2 محاروں کا استعمال

6.3 انگریزی زبان کے محاورے

6.4 اردو اور انگریزی کے مشترک محاورے

6.5 ترجمے میں قواعد کی اہمیت

6.6 ترجمے سے پیدا ہونے والے مسائل

6.7 ترجمے میں مناسب و موزوں ہم معنی لفظ کا انتخاب

6.8 اکتسابی نتائج

6.9 فرہنگ

6.10 نمونہ امتحانی سوالات

6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

## 6.0 تمہید

دنیا کے وہ ممالک جو مغربی ممالک کے زیر تسلّط رہے ہیں وہاں دولسانی فارمولے کا چلن عام ہے۔ ایک زبان تو وہ جو اس ملک میں بولی جاتی ہے جسے ہم مقامی زبان (Native language) کہتے ہیں اور دوسری وہ زبان جو ثانوی زبان (Second language) کہلاتی ہے۔

ہندوستان میں ہمارا واسطہ ثانوی زبان کے طور پر انگریزی سے ہوتا ہے جو ایک بین الاقوامی زبان بھی ہے۔ چنانچہ یہاں بیشتر اسکولوں اور کالجوں میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہوتا ہے اس لیے انگریزی میں علمی قابلیت رکھنا ہماری ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔

جب ہم انگریزی زبان سیکھنے کے ابتدائی مرحلوں میں ہوتے ہیں تو محاورے ہمارے لیے مسائل کھڑا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محاورے کچھ ایسے لفظوں سے تشکیل پاتے ہیں جن کے الگ الگ معنی معلوم کرنے کے باوجود ہماری رسائی محاورے کے اصل معنوں تک نہیں ہوتی۔ محاورے لغوی معنوں کے پابند نہیں ہوتے اور نہ ہی ان پر قواعد کے اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً انگریزی کا ایک محاورہ ہے۔

**To Kick the bucket**

اس محاورے کا جملے میں یوں استعمال ہوا ہے۔

**Last night he kicked the bucket**

اگر ہم اس جملے کا اردو میں ترجمہ کریں گے تو ترجمہ ہوگا۔

''کل رات اس نے بکٹ کو لات ماری''

مگر محاورے To kick the bucket کا دراصل مطلب ہے To Die یعنی مر جانا۔ اب اس معنی میں جملے کا درست ترجمہ ہوگا۔

**''وہ کل رات مر گیا۔''**

پچھلے زمانے میں انگلستان میں خودکشی کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ خودکشی کرنے والا بکٹ کو الٹا رکھ کر اس پر کھڑا ہو جاتا اور پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈال کر بکٹ کو لات مار کر خود سے الگ کرتا اور جھول جاتا تھا۔ ابتداء میں محاورے خودکشی کرنے والوں کے لیے مختص رہا ہوگا مگر بعد میں اس کا چلن ان لوگوں کے لیے بھی ہو گیا جو بیماری یا کسی اور وجہ سے مر گئے۔ آج کے دور میں اس کا استعمال اہل

زبان نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کی مادری زبان انگریزی نہیں ہے۔

چوں کہ اردو ہماری مادری زبان ہے اس لیے اردو زبان کے محاوروں کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہوتا تاہم ہم اردو زبان میں بھی ان الفاظ کے لغوی معنی دریافت کرکے جن سے محاورے تشکیل پایا ہے، محاورے کے اصل مفہوم تک مشکل ہی سے پہنچتے ہیں۔

اب ہم دیکھیں گے کہ محاورہ کی دراصل تعریف کیا ہے۔

## 6.1 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ محاورہ، قواعد مترادفات اور متضادات کی تعریف بیان کرسکیں گے۔

- ☆ یہ بتاسکیں گے کہ محاورہ کا استعمال کس طرح تحریر کو جان دار بناتا ہے۔
- ☆ اردو اور انگریزی کے محاروں پر روشنی ڈال سکیں۔
- ☆ ترجمے میں قواعد کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کی نشاندہی کرسکیں گے۔
- ☆ مترادفات ومتضادات کے فرق کو واضح کرسکیں گے۔

## 6.2 محاورے کی تعریف

کسی اصطلاح کو سمجھنے کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ کہ اس اصطلاح کے لغوی معنی معلوم کیے جائیں۔ اگر آپ محاورے کے معنوں کے لیے مختلف لغات کا مطالعہ کریں گے تو آپ محاورے کی حسب ذیل تعریفوں سے دوچار ہوں گے۔

1۔ کسی زبان کے ایسے مخصوص الفاظ جن کا مفہوم لغوی مفہوم سے مختلف متجاوز ہو۔

2۔ وہ کلمہ یا کلام جسے اہل زبان نے لغوی کی مناسبت یا غیر مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے لیے مخصوص کرلیا ہو۔

3۔ ایک طریق اظہار یا فقرہ عام طور پر غیر رسمی جو اپنے معنی آپ رکھتا ہے اور یہ جن الفاظ سے بنتا ہے ان الفاظ کے الگ الگ معنی معلوم کرکے ہم اس کے اصل معنوں تک پہنچ نہیں پاتے۔

4۔ زبان کے مزاج کا انوکھا، امتیازی اور نمایاں انداز۔

5۔ کسی زبان کی خاص کو قواعدی، نحوی یا ساختی ترکیب۔

6۔ کسی علاقے کی مقامی بولی یا مکالمہ۔

7۔ مخصوص لوگوں کی خاص لفظیات یا گروہی بولی۔

اوپر دی گئی تعریفوں کے پس منظر میں آگے ہم محاورے کا جائزہ لیں گے۔

### 6.3.1 لغوی معنوں سے محاورے کے معنی کا مختلف ہونا۔

اس ضمن میں ہم اردو زبان کے محاورے لیں گے۔

| محاورے | لغوی معنی | محاورے کی مخصوص معنی |
|---|---|---|
| 1۔سال بھاری ہونا | سال کا وزنی ہونا | سال کا منحوس ہونا یا سارا سال مصیبتوں میں گزرا۔ |
| 2۔آسمان سر پر اٹھانا | آسمان کو سر پر اٹھا لینا یا کسی بڑی چیز کو سر پر اٹھا لینا | شور کرنا، گڑبڑ کرنا |
| 3۔آسمان چھونا | آسمان کو ہاتھ لگانا | کسی چیز کا زیادہ ہونا۔ جیسے قیمتیں آسمان چھو رہی ہیں۔ |
| 4۔دیدے چھت کو لگانا | چھت کو غور سے دیکھنا | نزع کی کیفیت طاری ہونا۔ |
| 5۔دور سے لینا | کسی چیز کو دور کھڑے ہو کر لینا جیسے گیند وغیرہ | پاس آنے سے قبل ہی لعنت ملامت کرنا۔ |
| 6۔علمیت بگھارنا | علمیت کو تڑکا دینا | اپنے علم کا رعب ڈالنا۔ |
| 7۔رنگ میں بھنگ پڑنا | رنگ میں بھنگ کا گر جانا | خوشی میں بے لطفی ہونا۔ |
| 8۔سبز باغ دکھانا | ہرے باغ کی سیر کرانا | دھوکا دینا |
| 9۔کمان چڑھنا | کسی کمان پر چڑھنا | با اقبال ہونا۔ دور دورہ ہونا |
| 10۔کمر بستر سے نہ لگنا | لیٹنے میں تکلیف ہونا | تڑپنا، بے تاب ہونا |

### 6.3.2 محاوروں کا استعمال

محاورے کا مناسب استعمال ایک دوسرا مسئلہ ہے جس سے مبتدی اکثر و بیشتر آمنے سامنے ہوتے رہتے ہیں۔ محاورے کے الفاظ مستقل ہوتے ہیں نہ تو ان میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ اگر محاورہ کا کوئی لفظ غلطی سے بدل جائے تو محاورے کے معنی یکسر بدل جاتے ہیں اور بعض وقت مضحک صورتِ حال کے پیدا ہو جانے کا خدشہ بھی لگا رہتا ہے۔ جیسے قلم زد کرنا، محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو مٹا دینا۔ قلم پھیر دینا یا تحریر کو کاٹ دینا۔ اگر قلم زد کرنے کے بجائے ہم قلم رد کرنا لکھ دیں تو معنی بدل جاتے ہیں اور ایک الگ ہی مفہوم نکل آئے گا۔ اسی طرح ایک اور محاورہ ہے مٹی برباد کرنا جس کے معنی ہیں کسی کو بدنام کرنا، ذلیل کرنا یا میت کو رسوا کرنا۔ اب اگر کوئی مٹی برباد کرنا کے لکھ دے تو اس کا مفہوم محاورے کے مفہوم سے یکسر جداگانہ ہوگا۔

جب ہم کسی زبان کو سیکھتے ہیں تو اس زبان میں ہماری علمی استعداد ایک ایسے مرحلے میں آ جاتی ہے جب ہم سنجیدگی سے محاروں کو برتنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں استعمال میں لاتے ہیں۔ استعمال میں لانے والا مرحلہ ہی دراصل مشکل اور کٹھن ہوتا ہے۔ اس کے لیے سخت محنت اور وقت درکار رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر ہمیں محاوروں کے استعمال میں مہارت پیدا ہوتی ہے۔

چوں کہ ہم زبان سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے ان محاوروں کو بھی ضبط تحریر میں لانے سے نہیں چوکتے جو متروک ہو گئے ہیں۔ مثلاً آپ اس جملے پر غور کیجیے:

Its raining cats and dogs

To rain cats and dogs کا مطلب ہے شدت سے بارش ہونا کہ بلیوں اور کتوں کا برسنا۔ اب شدید بارش کے لیے اس طرح کا اظہار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بجائے یہ کہا جاسکتا ہے۔

its raning Heavily'

اس متروک محاورے Rain cats and dogs کو وہی لوگ استعمال میں لاتے ہیں۔ جو اہل زبان نہیں ہیں۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محاورے کا مناسب استعمال کتنا اہم ہوتا ہے۔

## 6.4 انگریزی زبان کے محاورے

انگریزی زبان ایک ترقی یافتہ زبان اور اس میں ہمیں بے شمار محاورے ملتے۔ اس زبان میں پائے جانے والے محاوروں کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے جانور، جسمانی اعضا، جنسی، جغرافیائی، ادبی وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ ذیل کچھ انگریزی محاورے ہیں جو جانوروں اور جسمانی اعضا سے متعلق ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ | To go to dogs | جسمانی اور ذہنی حالت کا انحطاط<br>زندگی کی زوال پذیری |
| 2۔ | He is going to dog | اس کی حالت نازک / بگڑتی جارہی ہے۔ |
| | To get straight from horse's mouth | متعلقہ موضوع شخص سے معلومات کی فراہمی۔ |
| | I got it Straight from the horse's mouth | میں مجھے یہ بات راست متعلقہ شخص سے معلوم ہوئی۔ |
| 3۔ | To smell a rat | شک ہونا |
| | I smell a rat | مجھے شک ہے۔ |
| 4۔ | To sound fishy | شک ہونا۔ متشکی ہونا۔ |
| | That Sound fishy to me | جو مجھے بتایا گیا ہے اس کے بارے میں مجھے شک ہے۔ |
| 5۔ | To let the cat out of the bag | رازافشاں کرنا۔ |
| | Dont let the cat out of the bag | میرے راز کو کسی پر ظاہر مت کیجیے۔ |

| | | |
|---|---|---|
| 6۔ | To pull the leg | ٹانگ کھینچنا دھوکہ دینا۔ |
| | Dont try to pull my leg | مجھے دھوکہ دینے کی کوشش مت کرنا۔ |
| 7۔ | To get up one 's nose | ستانہ تنگ کرنا پریشان کرنا۔ |
| | You get up my nose | آپ مجھے پریشان کرر ہیں۔ |
| 8۔ | To jump down ones throat | بات بے بات غصہ کرنا۔ |
| | He is always jumping down my throat | وہ ہمیشہ ناحق مجھ پر غصہ کرتا ہے۔ |
| 9۔ | To get out of hand | طرز عمل پر قابو نہ ہونا۔ ہاتھ سے نکل جانا۔ |
| | She is getting out of hand | وہ ہاتھ سے نکل جارہی ہے۔ |
| 10۔ | To keep a Straight face | ہنسی کو روکنا۔ |
| | I could not keep a straight face | میں اپنی ہنسی ضبط نہ کرسکا۔ |

### 6.4.1 اردو اور انگریزی کی مشترک محاورے

اردو اور انگریزی میں ہمیں ایسے محاورے مل جاتے ہیں جن کے معنی قریب ایک ہیں۔

| سلسلۂ نشان | اردو محاورہ | متبادل انگریزی محاورہ |
|---|---|---|
| 1۔ | سمندر میں قطرہ | A drop in the ocean |
| 2۔ | منہ میں پانی آنا | Make mouth water |
| 3۔ | ہمہ تن گوش ہونا | To be all ears |
| 4۔ | زاروقطار رونا/روکر دل کا بوجھ ہلکا کرنا | Cry ones heart out |
| 5۔ | ازبر کرنا | To learn by heart/Commit to memory |
| 6۔ | دھوکا دینا | To pull one's leg |
| 7۔ | ہاتھ دھولینا | Wash one's hands off something |
| 8۔ | آستین چڑھالینا | Roll up one 's sleeves |
| 9۔ | پیسے پانی کی طرح بہانا | Spend money like water |
| 10۔ | دل کا بوجھ اُتارنا/ہلکا کرنا | Get something off one 's chest |
| 11۔ | پانو پھیلانا/پسارنا | Stretch one's legs |

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

## 6.5 ترجمے میں قواعد کی اہمیت

ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ کامیاب ترجمہ کے لیے اصل زبان (Source language) اور ترجمہ کی زبان (Target language) پر ہمیں عبور حاصل ہونا چاہیے۔کسی زبان پر مکمل عبور اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہم اس زبان کی قواعد کا بطور خاص مطالعہ کرتے ہیں۔قواعد ہی کے علم سے ہم زبان کی نحوی وصرفی ساخت کو سمجھ سکتے ہیں اور جب اصل زبان کے متن کی نحوی اور صرفی ساخت ہماری ساخت زبان کی سمجھ میں آ جاتی ہے تو ترجمے کا کام آسان ہو جاتا ہے۔بعض اوقات،اوقاف ورموز (Punctuation) جو صرف علامتیں ہیں غلط استعمال ہی سے متن کا مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔اس بات کو حسب ذیل مثال کے ذریعے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔اردو کا جملہ ہے:

اٹھومت بیٹھو۔

اس مختصر سے لفظی جملے میں اگر آپ نے علامت وقفہ(Comma) اٹھو کے بعد لگا دیا تو جملے یوں ہو جائے گا۔

اٹھو،مت بیٹھو۔

اس جملے کا انگریزی ترجمہ ہوگا۔

Get up, Dont sit

اور آپ نے علامت وقفہ ''مت'' کے بعد لگایا تو جملہ یوں ہو جائے گا۔

اٹھومت،بیٹھو۔

اس جملے کا انگریزی ترجمہ ہوگا۔

Dont get up,sit

یعنی علامت وقفہ کی جگہ تبدیل کر کے کسی جملے کی دو مختلف متضاد معنی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔اس کا صریحاً مطلب یہی ہوا کہ تحریر میں صحیح اوقاف ورموز کی بڑی اہمیت ہے اور یہ فن قواعد (گرامر) کو جانے و سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اب ہم یہ غور کریں گے کہ گرامر یا قواعد کی تعریف کیا ہے؟قواعد کی بے شمار تعریفیں ہمیں ملتی ہیں جن میں سے کچھ خاص یوں ہیں:

1۔ زبان کے درست استعمال کے لیے متعین کردہ اصولوں (Rules) کے مطالعے کا نام قواعد (گرامر) ہے۔یعنی کسی زبان کے کچھ خاص اصولوں کو ہم کو قواعد کا نام دیتے ہیں۔اس طرح دنیا کی ہر وہ زبان جو ضبط تحریر میں لائی جاتی ہے اس زبان کی اپنی ایک خاص قواعد ہوتی ہے۔

2۔ قواعد دراصل لسانیات کے عام مطالعے کا ایک حصہ ہے۔

3۔ قواعد کسی زبان کے تعلق سے ایک خاص انداز فکر کا نام ہے۔

4۔ قواعد یہ بتاتی ہے کہ کس طرح الفاظ اور ان کے اجزائے ترکیبی کو ملا کر جملے بنائے جا سکتے ہیں۔

5۔ کسی زبان کے ساختیاتی تعلق کے جائزے کا نام قواعد (گرامر) ہے۔

6۔ کسی زبان کی تدریسی ضروریات یا حوالوں کے لیے معیاری یا قابل تعمیل معیاری ضابطوں کا نام قواعد ہے۔

7۔ علم تصریف (Inflection) ترکیب نحوی (syntax) اور لفضوں کی تشکیل کے نظام کو قواعد کہا جاتا ہے۔

8۔ قواعد زبان کا ایک خاص نظام (system) ہے۔

9۔ قواعد ایک خاص دور میں برتی جانے والی زبان کا عکس ہوتی ہے۔

قواعد کے تعلق سے ہمارے ذہن میں اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا ہمیں قواعد سیکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس کا مختصر اور جامع جواب ہے ''نہیں''۔ دنیا کی بیشتر آبادی قواعد سے بالکل ناآشنا اپنی مادری زبان میں بات کرتی ہے۔ بچے کم سنی ہی سے بات چیت کرنے لگتے ہیں اور انھیں قواعد کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا۔

اگر آپ سنجیدگی کے ساتھ اس بات کے متمنی ہیں کہ مادری زبان کے علاوہ ایک اور زبان سیکھیں تو آپ کو قواعد سیکھنی ہوگی، کیوں کہ قواعد ہی کے ذریعہ آپ کوئی اور زبان بہ عجلت ممکنہ اور مہارت کے ساتھ سیکھ سکیں گے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہر زبان کی اس کی اپنی قواعد (گرامر) ہوتی ہے۔ ایک زبان کی قواعد اور اس کا استعمال دوسری زبان کی قواعد سے مختلف ہوتا ہے اگرچہ کہ قواعد کی اصطلاحوں کا مفہوم ہر زبان میں ایک جیسا ہوتا ہے۔

اب ہم کو قواعد کی عام اصطلاحوں اور ان کے ترجمے کے بارے میں غور کریں گے۔

| سلسلۂ نشان | اردو میں اصطلاح | ترجمہ |
|---|---|---|
| 1۔ | اجزائے کلام | Parts of speech |
| 2۔ | اسم | Noun |
| 3۔ | اسم خاص | Proper Noun |
| 4۔ | اسم عام | Common noun |
| 5۔ | فعل | Verb |
| 6۔ | صفت | Adjective |
| 7۔ | متعلق فعل | Adverb |
| 8۔ | ضمائر | Pronouns |
| 9۔ | حروف جار | Propositions |
| 10۔ | حروف عطف | Conjuctions |
| 11۔ | حروف فجائیہ | Interjections |
| 12۔ | اوقاف ورموز (تحریر) | Punctuations |

## 6.6 ترجمہ میں قواعد سے پیدا ہونے والے مسائل

امریکہ میں مقیم ایک فرانسیسی نے انگریزی ادب کے پروفیسر کو بتایا کہ انگریزی کے دو جملے اسے ہمیشہ پریشان کرتے رہتے ہیں اور وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان دو جملوں میں سے کون سا جملہ اس کے مافی الضمیر کے بجا طور پر عکاسی کرتا ہے۔ وہ جملے ہیں:

1- I wish I were there

2- I wish that I had been there

پروفیسر نے اُسے بتایا کہ بیک نظر یوں لگتا ہے کہ دونوں جملوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، مگر بہ اعتبار زمانہ یہ دو مختلف جملے ہیں۔ پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ فرانسیسی حال میں ہونے والے کسی تقریب میں شرکت کی خواہش رکھتا ہے اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس تقریب میں شرکت کی خواہش رکھتا تھا جو ماضی میں انجام پا چکی ہے۔ یعنی دونوں جملوں کا مفہوم ایک جیسا ہے مگر زمانے میں مختلف ہیں۔

اگر ہمیں ان جملوں کا ترجمہ کرنا ہوگا تو ہمارے مقابل دو مسئلے ہوں گے۔ ایک تو قواعد کا اور دوسرا ترجمہ کا۔

آج تک ہم نے یہی پڑھا ہے کہ صیغہ واحد متکلم (First person) میں فعل مفرد (واحد) کا استعمال کرنا چاہیے۔ چوں کہ پہلے جملے میں I was کے بجائے I were لکھا گیا ہے اس لیے ہمیں یہ جملہ بہ لحاظ قواعد غلط لگے گا اور ہم اس کی تصحیح اپنے طور پر یوں کر لیں گے۔

I was I was there

مگر از روئے قواعد جب کبھی ہم اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں تو صیغہ واحد متکلم کے فعل کو جمع کے ساتھ استعمال کرنا ہوتا ہے اور یہی صورت حال کبھی کبھی (if) کے استعمال میں روا رکھی جاتی ہے جیسے:

1- It is cold .if I <u>were</u> you, I would put your coat on

2- It would be nice if the weather <u>were</u> better

صیغہ مستقبل مفرد (واحد) کے بجائے جمع (Plural) میں کیوں استعمال کیا جاتا ہے اس کی کوئی وضاحت یا تاویل ہمیں نہیں ملتی۔ انگریزی زبان کی قواعد میں ایسی اور کئی باتیں ہیں جو مروجہ اصولوں کی پابند نہیں ہوتی اور ہمیں جن کا کوئی منطقی جواز بھی نہیں ملتا۔

قواعد کی اس بوالعجبی سے واقف ہونے کے بعد ہم اپنا رُخ ان دو جملوں کے ترجمے کی طرف کریں گے۔

| | | |
|---|---|---|
| 1- | I wish I were there | کاش میں وہاں ہوتا |
| 2- | I wish I had been there | کاش میں وہاں ہوا ہوتا |

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں جملوں کی ساخت پر کافی توجہ دینی ہوتی ہے۔ کیونکہ جملہ کی کسی لفظ کو اس کی اپنی جگہ سے ہٹا کر کہیں اور لگا دینے سے جملے میں اکثر مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔ اس مثال پر غور کیجیے۔ جس میں

لفظ Almost کو دو مختلف جگہوں پر استعمال کرنے سے مفہوم کس قدر بدل گیا ہے۔

1- He lost almost a full ounce of blood

2- He almost lost a full ounce of blood

پہلے جملے میں "Almost" صفت "Full" اور دوسرے جملے میں یہ فعل (Lost) کے معنوں کا تعین کر رہا ہے اس لحاظ سے پہلے جملے کو مفہوم ہوگا۔ اس نے ایک اونس سے کچھ کھو دیا ہے اور دوسرے کا مفہوم ہوگا کہ وہ ایک اونس خون کھود ینے کے قریب آ گیا تھا مگر اس نے ایک قطرہ خون بھی نہیں کھویا۔

اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے بھی ہمارے سامنا ایسی ہی صورت حال سے ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہمیں اردو کے اس جملے کا انگریزی میں ترجمہ کرنا ہے۔

اسکول سے گھر لوٹتی ہوئے 19 سالہ لڑکی پر کتوں نے حملہ کیا، اس جملے کا انگریزی میں یوں ترجمہ کیا گیا۔

A nine- year -old girl has been attacked by dogs returning home from school

انگریزی کا یہ جملہ بظاہر درست نظر آتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ Returning home from school کا فقرہ کتوں سے متعلق لگ رہا ہے یعنی کتے اسکول سے گھر لوٹ رہے تھے۔ دراصل واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے چنانچہ اس فقرے کو اس کی مناسب جگہ بٹھا دینے سے مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے لہذا ہمیں اس جملے کو یوں لکھنا ہوگا۔

The nine year old girl returning home from achool has ben attacked by dogs

لفظوں اور فقروں کی نشست و برخاست کا خیال نہ رکھنے سے مفہوم کی کچھ اور ہو جانے کے امکانات قوی ہو جاتے ہے۔

انگریزی ادب کے ایک استاد نے طلبہ کی ترجمہ میں قابلیت دیکھنے کے لیے یہ جملہ انھیں ترجمہ کرنے کے لیے دیا۔

1- My wife will not serve cake until thoroughy soaked with wine.

80 فیصد طلباء نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

1۔ میری بیوی کھانے کے لیے کیک اس وقت پیش نہیں کرے گی جب تک کہ وہ شراب میں تر بتر نہیں ہو جاتی۔

بادی النظر میں یہ ترجمہ نہایت موزوں و مناسب لگتا ہے مگر غور کرنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہنے والے کا یہ مطلب نہیں ہوگا بلکہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کھانے کے لیے کیک اس وقت تک پیش نہیں کرے گی جب تک کہ کیک شراب میں مکمل طور پر بھیگ نہیں جاتا یا تر بتر نہیں ہو جاتا۔ اگر اس مفہوم کو ہمیں انگریزی میں ادا کرنا ہوگا تو ہم یوں لکھیں گے:

**My wife will not serve cake until it is thoroughly soaked in wine.**

کہنے والے یا لکھنے والے نے 'It is' کو حذف کر کے جملہ بنا دیا۔ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہے اور جملہ

مکمل اور درست ہے۔ اگر کوئی بات غلط ہے تو وہ ہماری ترجمہ ہے۔ جہاں ہم کیک کے بجائے بیوی کو شراب میں تر بتر کر رہے ہیں۔ بیشتر مقامات پر ہمارے مقابل ایسے مسائل آن کھڑے ہوتے ہیں۔ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ہمارا ترجمہ درست ہو اور اصل زبان میں ادا کیے گئے مفہوم کی مکمل ترجمانی کرتا ہو۔

یہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب :

- ☆ ترجمہ نگار کا مطالعہ وسیع ہو۔
- ☆ اسے دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہو اور وہ اصل زبان اور ترجمہ کی زبان کی لسانی اور تہذیبی پس منظر سے واقف ہوں۔
- ☆ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ترجمہ ایک کھڑکی ہے جسے کھول کر ہم دوسری زبانوں کے بولنے والوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی تہذیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ہم اس امر سے بھی واقف ہیں کہ انگریزی اور اردو جملوں کی ساخت مختلف ہوتی ہے۔اسی لیے ہمیں لفظی ترجمہ سے احتراز کرنا چاہیے۔مثلاً اس جملے پر غور کیجیے۔

She should not believe her ears when they told her that her husband had been arrested.

اس جملہ کا لفظ بہ لفظ ترجمہ یوں ہوگا۔

**''وہ کرسکی نہیں یقین اس کے کانوں پر جب وہ بولے اس سے اس کا شوہر ہو چکا تھا گرفتار۔''**

یہاں ترجمہ کا جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی کا جملہ لکھ لیا گیا اور اس جملے کے ہر لفظ کے نیچے اردو متبادل کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔مفہوم تو ہماری سمجھ میں آ جاتا ہے مگر جملے کی نحوی و ساختی ترکیب سے ہم مطمئن نہیں ہوتے۔کیوں کہ ہم جملے کو اس انداز میں ادا نہیں کرتے۔اس جملے کا آسان سا با محاورہ ترجمہ یوں ہوگا۔

**''وہ اپنے کانوں پر یقین نہیں کرسکی جب انہوں نے اسے یہ بتایا کہ اس کا شوہر گرفتار ہو چکا ہے۔''**

انگریزی کے جملے لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ قواعد کے اصولوں کا پابند نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس میں کوئی منطقی ربط نہیں ہوتا۔

ترجمہ میں مناسب لفظ کا استعمال۔

کسی لفظ کے ہم معنی یا مترادف (Synonyms) اور متضاد (Antonym) کئی لفظ ہوتے ہیں۔جیسے انگریزی کا ایک لفظ ہے۔Angry۔اس کے مترادف و متضاد الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1- | Aggravated | 2- | Annoyed |
| 3- | Antagonised | 4- | Bitter |
| 5- | Choked | 6- | Enraged |
| 7- | Infuriated | 8- | Irate |
| 9- | Outraged | 10- | Provoded |

## 6.7 ترجمہ میں مناسب ہم معنی الفاظ کا انتخاب

ترجمہ نگار کے لیے مناسب موزوں ہم معنی لفظ یا مترادف کا انتخاب ایک سخت مرحلہ ہوتا ہے۔ Angry کے متضادات Clam اور Content ہیں۔ اس مثال پر غور کیجیے۔ اور یہ سمجھئے کہ آپ اس انگریزی کے جملہ کا ترجمہ کرنا ہے۔ جملہ ہے:

When here son died she cried her heart out

اس جملے کا جائزہ لینے پر ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس میں انگریزی کا ایک محاورہ To cry heart out کا استعمال ہوا ہے جس کے اردو میں متبادلہ محاورے ہیں۔ اوپر دیئے گئے جملے کا لفظی ترجمہ ہوگا۔

''جب اس کا بیٹا مر گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔''

لفظی ترجمہ کے برخلاف بامحاورہ ترجمہ میں الفاظ اور محاوروں کے ایک سے زائد متبادل لفظ اور محاوروں پر غور کر کے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ جیسے To die (مرجانا) کے لیے اردو میں کئی مترادف یا ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ جیسے:

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ مرجانا | 5۔ وفات پانا | 9۔ کوچ کرجانا |
| 2۔ رحلت کرنا | 6۔ وصال ہونا | 10۔ گزرجانا |
| 3۔ دنیا سے منہ موڑنا | 7۔ انتقال ہونا | 11۔ مالکِ حقیقی سے جاملنا |
| 4۔ سپردخاک ہونا | 8۔ زمین کا پیوند بننا | |

اس طرح انگریزی کے محاورے To cry heart out کے بھی اردو میں ہم معنی اور متبادل محاورے ہیں۔ جیسے:

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ زاروقطار رونا | 2۔ پھوٹ پھوٹ کررونا | 3۔ آنسوؤں میں ڈوب جانا |
| 4۔ ہچکیاں بندھ جانا | 5۔ رونے کا تار باندھنا | 6۔ آنسوؤں کا دریا بہانا |

7۔ آنسوؤں کی جھڑی لگنا......وغیرہ وغیرہ

ان مترادفات کے پس منظر میں اس جملے کا ترجمہ یوں کیا جاسکتا ہے:

1۔ جب اس کا بیٹا مر گیا تو وہ زاروقطار رونے لگی۔

2۔ جب اس کا لختِ جگر وفات پا گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

3۔ جب اس کا بیٹا گزر گیا تو اس نے رونے کا تار باندھا۔

4۔ جب اس کا نور چشم مالک حقیقی سے جا ملا تو اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

5۔ جب اس کے جگر کا ٹکڑا رحلت کر گیا تو وہ آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

ان پانچ جملوں میں استعمال کیے گئے لفظوں میں سے مترجم کو وہ الفاظ چننے یا منتخب کرنے ہوتے ہیں۔ جو اس سانحہ کی بہتر اور ادبی ترجمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ بیٹے کے لیے لخت جگر کا انتخاب موزوں ہے، مر جانے کے معنی میں رحلت کرنا میں فصاحت ہے اور محاورے کے طور پر زار وقطار رونا مناسب ہے۔ اس انتخاب کے بعد اس جملے کا موزوں ومناسب ترجمہ یہ ہوگا:

**''جب اس کا لخت جگر رحلت کر گیا تو وہ زار وقطار رونے لگی۔''**

## 6.8 اکتسابی نتائج

دنیا کی ہر زبان میں فصاحت وبلاغت پیدا کرنے کے لیے محاوروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ محاورے کی اصل تعریف یوں ہے۔

1۔ کسی زبان کے ایسے مخصوص الفاظ جن کا مفہوم لغوی مفہوم سے مختلف یا متجاوز ہو۔

2۔ محاورہ ایسا کلمہ ہے جسے اہل زبان نے لغوی معنوں کی مناسبت سے یا غیر مناسبت سے کسی خاص مفہوم کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔

محاورہ جن لفظوں سے بنایا جاتا ہے ان لفظوں کے لغوی معنی معلوم کرنے کے باوجود ہماری رسائی محاورے کے اصل مفہوم تک نہیں ہوتی۔ مثلاً اردو کا ایک محاورہ ہے۔ سبز باغ دکھانا۔ یہ سہ لفظی محاورہ ہے۔ ان تین لفظوں کے لغوی معنی نہایت آسان ہیں۔ مگر ان لغوی معنوں سے جو تاثر ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو اپنے ہمراہ کر کے اسے ہرا باغ دکھانا۔ مگر اس محاورے کا دراصل مفہوم دھوکہ دینا ہے۔

اسی طرح انگریزی زبان کا محاورہ To keep straight face اس کا لغوی ترجمہ ہوگا۔ چہرے کو سیدھا رکھنا۔ مگر اس محاورے کا مطلب ہے ہنسی روکنا۔ ترجمہ نگار کے لیے محاوروں کا ترجمہ آسان نہیں ہوتا۔

ترجمے میں قواعد زبان کی وجہ سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ قواعد زبان کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ:

1. قواعد زبان کے درست استعمال کے لیے متعین کردہ اصولوں Rules کے مطالعے کا نام ہے۔

2. قواعد یہ بتاتی ہے کہ کس طرح الفاظ اور ان کے اجزائے ترکیبی کو ملا کر جملے بنائے جا سکتے ہیں۔

3. کسی زبان کی ساختیاتی تعلق کا جائزے کا نام قواعد ہے۔

ہر زبان کی قواعد مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے زبان کا اظہار بیان مختلف ہو جاتا ہے۔ انگریزی کے جملوں کی ساخت اردو کے جملوں کے ساخت مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے مترجم یا ترجمہ نگار کو دونوں زبانوں کی قواعد کا علم ہونا ضروری

ہے۔

ترجمے میں ایک اور مسئلہ مناسب موزوں مترادف (Synonym) اور متضاد (Antonym) کے انتخاب کا بھی ہے۔ ایک لفظ کے ہم معنی اور مخالف معنی نہ رکھنے والے کئی الفاظ ہوتے ہیں۔ لفظوں کے اس کثیر سرمائے سے اس لفظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جو اصل زبان کے لفظ کے مفہوم کو پورا پورا ادا کرتا ہو۔ موزوں و مناسب متبادل الفاظ کے انتخاب میں بسا اوقات ترجمہ نگار کا تجربہ اور مہارت کام آتے ہیں۔

## 6.9 فرہنگ

| | | |
|---|---|---|
| تشکیل | : | شکل دینا، صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا |
| اطلاق | : | منطبق کرنا، جاری کرنا، Application |
| نحوی | : | نحو سے متعلق، جملے کی ساخت سے متعلق، قواعد نحوی کے مطابق |
| صرفی | : | صرف سے متعلق، لفظ کے قوانین وضوابط |
| باقبال ہونا | : | بلند ہونا، قبول کیا جانا |
| نزع کی کیفیت | : | دم توڑنے کا عالم، جسم سے روح کا نکلنا |
| یکسر | : | شروع سے آخر تک |
| ضبط تحریر | : | لکھنا، تحریر میں لانا |
| اوقاف | : | وقفہ کی جمع، جملے میں سکون اور حرکت کی علامات |
| رموز | : | رمز کی جمع، اشارہ |
| متمنی | : | تمنا رکھنا |
| صیغہ | : | طریقہ، طور، قالب، شعبہ |

## 6.10 نمونہ اُمتحانی سوالات

### معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ مندرجہ ذیل محاوروں کے لغوی معنی اور مخصوص معنی لکھیے۔

سال بھاری ہونا　　آسمان سر پر اٹھانا　　رنگ میں بھنگ پڑنا　　سبز باغ دکھانا

2۔ مندرجہ ذیل انگریزی محاوروں کا اردو ترجمہ کیجیے:

To go to dogs　　To smell a rat

To sound fishy　　To keep a strainghy face

3۔ اردو اور انگریزی کے کوئی تین مشترک محاورے دونوں زبانوں میں لکھیے۔

4۔ ترجمے کے اعتبار سے اصل زبان (Source Language) کسے کہتے ہیں؟

5۔ کتاب 'A book of english Idioms' کے مصنف کا نام لکھیے۔

## مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ محاورے کی تعریف بیان کیجیے؟

2۔ محاورے کا ترجمہ کیوں مشکل ہوتا ہے؟

3۔ ترجمے میں قواعد کے جاننے کی کیوں اہمیت ہے؟

4۔ مترادفات و متضادات کے بارے مین آپ کیا جانتے ہیں؟

5۔ ترجمے میں مناسب و موزوں لفظ کا انتخاب کیوں ضروری ہوتا ہے؟

## انفرادی نوعیت کے سوالات

1۔ اردو کے ان محاوروں کے معنی لکھیے۔

دہا کے دینا — ذرا سا منہ نکل آنا

زیست کا حرام ہوجانا — شہرہ اڑنا

شہد لگا کر الگ ہوجانا

2۔ انگریزی کے ان محاوروں کے معنی لکھیے:۔

A clean state

Put all eggs in one basket

watch like a hawk

give somebody a rough time

Be in the same boat

3۔ اردو اور انگریزی کے پانچ پانچ محاورے لکھیے۔

4۔ نیچے دیئے گئے جدول میں محاوروں کے ہم معنی الفاظ دیئے گئے ہیں اور پھر جملے لکھے گئے ہیں۔ ہر جملے میں ایک محاورہ ہے۔اس محاورے کے ہم معنی الفاظ کو جملے کے مقابل دی گئی خالی جگہ میں لکھیے۔

| | |
|---|---|
| شرمندگی اٹھانا | وعدہ پورا کرنا |
| جھگڑا کرنا | آرام کرنا |

| | |
|---|---|
| بہکاوے میں آنا | معاملہ خراب ہو جانا |
| نسبت قرار پانا | لگاتار بکواس کرنا |
| بدہضمی ہونا | دھوکا کھانا |

I۔ وہ صبح شام پلنگ کے بان توڑتا ہے۔

II۔ وہ دن رات ٹیں ٹیں ہی کرتا رہتا ہے۔

III۔ وہ معصوم تھی اس لیے وہ اس کی شاطرانہ باتوں کے جل میں آ گئی۔

IV۔ اگرچہ وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا تھا پھر بھی وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

V۔ جب ایک مدت تک اس کی بات ٹھہر نہ سکی تو اس نے شادی کا خیال ترک کر دیا۔

VI۔ وہ الم غلم کھانے کا عادی تھا اس لیے اس کا پیٹ اکثر پانی ہو جاتا ہے۔

VII۔ جب تقدیر پھوٹ جاتی ہے تو تدبیر بے کار جاتی ہے۔

VIII۔ جب گفتگو کے سارے دروازے بند ہوگئے تو وہ خم ٹھونک کر ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔

________________________________________________

________________________________________________

IX۔ زک اٹھانے سے بہتر یہی ہے کہ تم مقابلے سے دست بردار ہو جاؤ۔

________________________________________________

________________________________________________

X۔ وہ عقل کی کچی تھی اس لیے وہ بہ عجلت ممکنہ کے بھی سکھاوے میں آجاتی تھی۔

________________________________________________

________________________________________________

5۔ حسب ذیل الفاظ محاوروں کے ہم معنی ہیں۔قوسین میں دیئے گئے محاوروں کے مقابل خالی جگہ کو مناسب لفظ کا انتخاب کر کے پر کیجیے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| Honest | Unsure | Exaggerrated | Likly | Obstacle |
| Quit | Secret | Avoid | Identified | In preparation |

I. Neha (put her finger on)___________ the source of the problem

II. Ahmed was (in two Minds)___________ whether to take on another part time job so close to the final examination

III. Ram decided to (throw in the towel)____________ because he found the course too demanding

IV. The Urdu department has a new course (in pipeline)____________ which is likely to be very popular.

V. It is (on the cards)____________ that a new teacher will be appointed before the end of the mouth

VI. There were no doubt as to whether the company is dealing were (above board)___________________.

VII. The company kept it new logo (under wrap) ___________until the day of the presentation.

VIII. Jane does not like very much so that tries to (steer clear of) ________ him as much as possible.

IX. Paul's account of the problem was a bit (above the top)______________ I do not think it is anything like as serious as marks out.

X. As usual, the shortage of money prove to be their main (stumbling block)____________________.

## 6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد


1۔ قواعد اردو عبدالحق

2۔ اردو صرف ونحو عبدالحق

3. Practical English usage by Michael Swan

4. A Book of English Idioms by V.H4Collins

5. Gide to pattern and usage in English by A.S Hornby

# ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن، دوسرا سمسٹر

## پانچواں پرچہ: ترجمہ اور زبان دانی

Diploma in Journalims & Mass Communication (DJMC), 2nd Semester

**Paper 5: Translation & Language Proficiency**

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالات کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (10=1×10)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (30=6×5)

3۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے کوئی 3 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (30=10×3)

---

### حصہ اول

سوال: 1

i مترادفات کسے کہتے ہیں؟

ii اکثر مغربی ماہرین کے مطابق ترجمہ کس کی ایجاد ہے؟

iii ترجمہ کو 'Absurd' اور 'Impossible' کس نے کہا تھا؟

iv محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی موضوعاتی نظمیں کس چیز سے متاثر ہو کر لکھی گئیں؟

v اردو اور فارسی میں 'ترجمے' کا لفظ کس زبان سے آیا ہے؟

vi کتاب 'وضع اصطلاحات' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

vii ماہر لسانیات نے زبان کی کون سی تین صورتیں بتائی ہیں؟

viii کسی بھی متن کے ترجمے کی چار سطحیں کون سی ہوتی ہیں؟

ix کتاب 'The best way translation from one language to other' کے مصنف کا نام لکھیے۔

x اردو اور انگریزی کے کوئی تین مشترک محاورے دونوں زبانوں میں لکھیے۔

## حصہ دوم

2۔ ترجمے کی تعریف بیان کیجیے اور یہ بتایئے کہ آپ کسے جامع تعریف سمجھتے ہیں؟

3۔ اصطلاح سازی کے تعلق سے مترجم کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ لکھیے۔

4۔ موجودہ دور میں اردو میں ترجمے کی ضرورت پر ایک نوٹ لکھیے۔

5۔ علمی تراجم سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

6۔ ترجمہ کے کسی ایک میدان پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

7۔ لفظ اور عبارت کی ترجمے پر ایک نوٹ لکھیے۔

8۔ ثقافت کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے تشکیلی اجزاء پر جامع روشنی ڈالیے۔

9۔ قانونی ترجمے کے تقاضوں پر مختصر روشنی ڈالیے۔

## حصہ سوم

10۔ تخلیق یا تصنیف کی زبان سے مترجم کی واقفیت کس حد تک ہو؟ بحث کیجیے۔

11۔ صحافت کے نقطۂ نظر سے ترجمہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالیے۔

12۔ تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصولوں سے بحث کیجیے۔

13۔ ترجمے میں اصل زبان اور ترجمے کی زبان سے مترجم کی واقفیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

14۔ ذیل میں کچھ اردو اور انگریزی محاورے دیے جا رہے ہیں۔ ان محاوروں کے معنی لکھیے:

الف۔ اردو کے ان محاوروں کے معنی لکھیے۔

دہاکے دینا — ذرا سا منہ نکل آنا

زیست کا حرام ہو جانا — شہرہ اڑنا

شہد لگا کر الگ ہو جانا

ب۔ انگریزی کے ان محاوروں کے معنی لکھیے:

A clean state

Put all eggs in one basket

watch like a hawk

give somebody a rough time

Be in the same boat

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY